لہو کا بوجھ

محی الدین نواب

انسان بڑا بے صبرا ہے۔۔۔ اسی بے صبری میں ہر جوا اٹھانے اور ہر جوا کھیلنے پر ہمیشہ آمادہ رہتا ہے۔۔۔ جو شے کل مل سکتی ہے اس کی خواہش ہوتی ہے آج بلکہ ابھی مل جائے اپنی اس کجی کے سبب اس پر مشکلات و آلام آتے ہیں مگر اپنی روش تبدیل آنا شاید اس کی سرشت ہی میں نہیں ہے۔۔۔ تکمیل خواہش کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو کچھ دیر تو روکتی ہے مگر ہمیشہ کے لیے پابند نہیں کرسکتی۔۔۔ دوسروں کی ناکامیوں سے سبق سیکھنا اس نے نہیں سیکھا اسی لیے دوسروں کی غلطیاں دہرانے سے بھی نہیں چوکتا لہٰذا اس کے انجام پر دو آرا نہیں ہوسکتیں۔۔۔ یہ بھی چند ایسے بے صبروں کی داستان عبرت ناک ہے سب کچھ فی الفور حاصل کرنے کی طلب نے ان کی بینائی ان سے چھین لی تھی اور وہ رشتوں ناتوں کو بھلا کر خواہشوں کے غلام بن کر رہ گئے تھے

ایمان دار باپ کی بے ایمان اولاد کا شاخسانہ لہو تو سچا تھا مگر اس کا وزن بہت تھا

موت اتنی بااختیار ہے کہ ایک کے بعد دوسری سانس لینے نہیں دیتی۔ پیدا ہوتے ہی مار دیتی ہے اور اکثر اتنی بے اختیار اور مجبور ہو جاتی ہے کہ مہینوں اور برسوں گزرتے جاتے ہیں، بندوں کو مار نہیں پاتی۔

یوں زندگی اور موت کے درمیان بڑی پرتجسس جنگ جاری رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے زندگی کسی بھی وقت مات کھانے والی ہے۔ لیکن موت ہے کہ مات کھاتی اور پیچھے ہٹتی چلی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ ایک دن ضرور جیت جاتی ہے مگر غالب آتے آتے پسینا چھوٹ جاتا ہے۔

موسیٰ بھائی کے معاملے میں بھی موت ہانپ رہی تھی۔ آئی سی یو کے باہر رشتے داروں کا ہجوم تھا۔ سب ہی ڈاکٹر کی زبان سے مژدۂ جان فزا سن کر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ایک کی جان جانے سے نہ جانے کتنوں کی جان میں جان آنے والی تھی؟

انتہائی نگہداشت کے کمرے میں سرتاج موسیٰ کے منہ اور ناک پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔ ماسک کے اندر سانس لینے کے باعث ناک کی نمی یوں لگ رہی تھی جیسے روح قبض کرتے وقت موت کو پسینا آرہا ہو۔ یہ ہانپ رہی تھی اور وہ سانسیں کھینچ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان رسّا کشی جاری تھی۔ پتا نہیں اگلے لمحات میں کس کی جیت اور کس کی موت ہونے والی تھی؟

اس کی عمر اتنی زیادہ بھی نہیں تھی کہ مرجانا لازمی تھا۔ ابھی وہ اسّی برس کا ہی تھا۔ کم از کم سنچری کرنا چاہتا تھا۔ زندگی سے بہت پیار تھا۔ اس لیے تشویشناک امراض کے حملوں کے باوجود مرنے سے انکار کرتا چلا آرہا تھا۔

ایسی بھی کیا ڈھٹائی تھی...؟ وہ دوسروں کو مایوس کر رہا تھا۔ مایوس ہونے والوں میں تین بیویاں، پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ ان بیویوں کے میکے والے تھے اور بیٹوں اور بیٹیوں کے سسرال والے تھے۔ جب بھی اسے اسپتال پہنچایا جاتا تھا تو وہاں رشتے داروں کا جمعہ بازار لگ جاتا تھا۔

وہ سب ہی نہ چاہنے کے باوجود اسپتال ضرور آتے تھے۔ جب بھی وہ موت کے شکنجے سے نکل کر آنکھیں کھولتا تو وہ ایک ایک کرکے سامنے آتے تھے۔ اس کی واپسی پر خوش ہونے لگتے تھے۔ اس کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے اور ثابت کرتے تھے کہ اس کے جینے مرنے میں ساتھ ہیں۔ یہ اسپتال کیا چیز ہے اس کے ساتھ قبرستان بھی جائیں گے۔ وہ وہاں تک جانے کا موقع تو دے۔

انتہائی نگہداشت کے کمرے میں بیک وقت سب کو جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی کہ آپ صرف پانچ پانچ منٹ کے لیے باری باری جائیں۔ زیادہ باتیں نہ کریں۔ انہیں صرف دلاسا دے کر چلے آئیں۔

سب سے پہلے باصرہ بیگم عیادت کے لیے آئی تھیں۔ وہ بیویوں میں سب سے بڑی اور پرانی تھیں۔ اب سے پچپن برس پہلے دلہن بن کر آئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ کبھی حسین مہ جبیں ممتاز محل ہوں گی۔ سرتاج موسیٰ نے سرتاج بننے کے بعد ایسے تاج محل کی زیارت کرتے کرتے اسے کھنڈر بنا ڈالا تھا۔

باصرہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "خدا کا شکر ہے، آپ کی طبیعت پھر سنبھل گئی ہے۔ میں تو کل رات سے دعائیں مانگ رہی تھی۔"

مگر دل میں یہ بات تھی کہ طبیعت نہ سنبھلتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ اسّی برس کی عمر میں شوہر کسی کام کا نہیں رہتا۔ صرف اس کی کمائی کام آتی ہے۔

باصرہ پہلے خود غرض نہیں تھی۔ جب سے موسیٰ بھائی نے دوسری اور تیسری شادی کی تھی، تب سے دل کھٹا ہو گیا تھا۔ ان مردوں سے کتنی ہی وفا کرو، یہ دوسری تیسری کے تلوے چاٹنے سے باز نہیں آتے۔ عورت اپنی جوانی کا ایک ذرہ بھی کسی دوسرے کو نہیں دیتی۔ مگر یہ حاتم طائی بن کر اپنی جوانی جگہ جگہ لٹاتے رہتے ہیں اور اپنی کمائی ہوئی دولت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ پہلی بیوی کو ورثے میں صرف خیرات ملتی ہے۔

باصرہ بیگم نے بیمار کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اسے سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں نے آپ کو سات بچے دیے۔ پانچ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پھر بھی دو ہیں۔ یہ بتائیں، آپ مجھے کیا دے رہے ہیں؟ مجھے نہ سہی اپنے بیٹے اور بیٹی کے لیے کیا کر رہے ہیں؟"

موسیٰ بھائی نے آکسیجن ماسک کو ایک ذرا سا ہٹا کر سانسیں کھینچتے ہوئے کہا۔ "شجاعت... اور عدیلہ... صرف تمہاری نہیں میری... میری بھی اولادیں ہیں۔ میں انہیں بھیک نہیں دوں گا۔ ان... ان کے تمام حقوق ادا کروں گا۔"

بات مکمل کرکے اس نے پھر ماسک لگا لیا۔ وہ بولی۔ "آپ نے حقوق دینے کے لیے بیویوں اور بچوں کی قطاریں لگا رکھی ہیں۔ معلوم تو ہو، میرے بچوں کے حصے میں کیا آنے والا ہے؟"

اس نے پھر ماسک ہٹا کر ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جب تم شریک حیات بن کر آئیں... تو اس وقت پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا... میں نے تمہیں مانگے بغیر پاکستان دے دیا۔ تمہارے پاس ڈھل جانے والی جوانی تھی... میں نے آخری سانس تک جوان رہنے والی ماں کی ممتا دے دی۔ آج سے پچپن برس پہلے تم دو جوڑوں میں میکے سے آئی تھیں۔ میں نے دن رات کا عیش و آرام دیا... جب میں مانگنے سے پہلے سب کچھ دیتا رہتا ہوں تو پھر... تقاضے کیوں کرتی ہو؟"

اس نے ذرا پریشانی سے کہا۔ "خدا کے لیے گھما پھرا کر باتیں نہ کریں۔ ملاقات کے پانچ منٹ ختم ہونے والے ہیں۔ جلدی سے بتا دیں، ہمارے لیے کیا وصیت لکھی ہے؟"

وہ پھر ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم پانچ منٹ کی بات کر رہی ہو... میں نے... میں نے تو پچھلے پچپن برسوں میں زبان سے کچھ نہیں بتایا۔ جو کرنا ہوتا ہے... کر گزرتا ہوں۔"

اس نے آئی سی یو کے بیرونی دروازے کو دیکھا۔ باہر دوسرے رشتہ دار اپنی باری کے انتظار کر رہے تھے۔ وہ بولی۔ "میں مانتی ہوں مگر اس وقت صرف وصیت کی بات کریں۔"

وہ گہری سانسیں لیتے ہوئے بولا۔ "یہ باتیں گھر میں ہو سکتی ہیں۔ جب اسپتال سے چھٹی ملے گی تو......"

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "تو دوسری تیسری اپنی اولادوں سمیت آپ کو گھیر کر رکھیں گی۔ وہ آپ کو میرے گھر تک آنے کب دیتی ہیں؟"

خاندان کے ایک بزرگ کو دروازے پر کھڑا کیا گیا تھا۔ وہ ہر پانچ منٹ کے بعد ایک کو باہر اور دوسرے کو اندر بھیجنے والے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول کر کہا۔ "بھابھی جان! باہر آجائیں۔ آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

باصرہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "خدا نہ کرے میرا وقت پورا ہو۔ ذرا ٹھہریں۔ ابھی آتی ہوں۔"

باہر سے موسیٰ بھائی کی دوسری بیوی ناہید بیگم نے چیخ کر کہا۔ "آتی ہوں نہیں... آجائیں۔ وہ ہمارے بھی مجازی خدا ہیں۔"

موسیٰ بھائی نے حسرت سے کہا۔ "چلی جاؤ۔ ورنہ قطار میں کھڑے ہوئے سب ہی چاہنے والے اور والیاں شور مچائیں گی۔ اسپتال والے سب کا داخلہ بند کر دیں گے۔"

وہ جھنجھلا کر جاتے ہوئے بولی۔ "آپ سے تو خدا ہی سمجھے گا۔ ہم قبر کے پیٹ سے مردہ اکھاڑ سکتے ہیں۔ مگر آپ کے پیٹ سے کوئی بات نہیں نکال سکتے۔"

وہ چلی گئیں۔ ناہید بیگم نے آتے ہی کہا۔ "پتا نہیں وہ ہمارے خلاف کیا پھونک کر گئی ہے؟ دیکھیں جی! میرے بچوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی تو......"

موسیٰ بھائی نے ماسک ہٹا کر پوچھا۔ "تو؟"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "تو میں آپ کا کیا بگاڑ لوں گی؟ آپ تو ہمیں جیسا تیسا چھوڑ کر جا چکے ہوں گے۔"

"تو پھر آرام سے بیٹھو۔ میں بیمار ہوں، میری دلجوئی کرو۔"

"ہم تو دلجوئی کرتے کرتے تھک گئے۔ آپ ہیں کہ بیمار ہونے سے باز نہیں آتے۔"

"میں جب بھی بیمار پڑتا ہوں۔ سب ہی کے دل خوشی سے دھڑکنے لگتے ہیں کہ اس بار چٹ پٹ ہو جاؤں گا... لیکن نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے۔ عارضی طور پر تم لوگوں کو خوش تو کرتا رہتا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وعدہ کریں، اس بار یہاں سے سیدھے میرے گھر آئیں گے۔ کسی اور چہیتی کے پاس نہیں جائیں گے۔ بچے بھی آپ کی خدمت کرنے اور آپ کی محبت پانے کے لیے ترستے رہتے ہیں۔"

"میرے تمام بچے... کتنے خدمت گزار ہیں میں... میں خوب جانتا ہوں۔ دوسری بات کرو۔"

"دوسری بہت سی اہم باتیں ہیں۔ یہاں نہیں ہو سکتیں۔ آپ گھر آئیں گے تو دل خوش کر دوں گی۔"

اس نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "آہ... اب وہ خوش کرنے اور خوش ہونے والی عمر کہاں رہی؟ پلیز... عمر رفتہ کو آواز نہ دو۔ ڈاکٹر نے زیادہ ایموشنل ہونے سے منع کیا ہے۔"

"توبہ ہے۔ کہتی کچھ ہوں، سمجھتے کچھ ہیں۔ جو سننا چاہتی ہوں، وہ بولتے نہیں ہیں۔ بس ساری عمر لارے لپے دیتے ہوئے گزار دی ہے۔"

بڑے میاں نے دروازہ کھول کر کہا۔ "ناہید بھابھی! آجاؤ۔ پانچ منٹ ہو چکے ہیں۔"

تیسری بیوی اندر آرہی تھی۔ دوسری کو باہر آنا پڑا۔ اگرچہ ناہید بیگم اندر سے جل بھن گئی تھی مگر بڑی سوکن باصرہ بیگم کو تپانے کے لیے یوں مسکراتی ہوئی آئی، جیسے سرتاج موسیٰ سے وصیت کا بھید معلوم کرکے آرہی ہو۔

اسپتال کی وزیٹرز لابی میں رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ تیسری بیوی کے بعد تمام بچے ایک ایک کرکے باپ سے ملنے والے تھے۔ ان میں باصرہ بیگم کا ایک بیٹا شجاعت

موسیٰ اور ایک بیٹی عدیلہ تھی۔

شجاعت پینتالیس برس کا اور عدیلہ چالیس برس کی تھی۔ ان کے بھی کئی بچے تھے۔ یعنی بچوں کے بھی بچے اتنے تھے کہ موسیٰ بھائی کا خاندان کراچی کے مختلف علاقوں تک پھلتا‘ پھولتا اور پھیلتا جارہا تھا اور جتنا پھیل رہا تھا اتنے ہی مسائل پیدا ہوتے جارہے تھے۔

سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ سرتاج موسیٰ عرف موسیٰ بھائی ایک بہت ہی کامیاب بزنس مین تھا۔ اس نے تمام کاروبار کی لگام اپنے ہاتھوں میں رکھی تھی۔ پانچ بیٹے اور تین داماد تھے۔ ان سب کو کاروبار چلانے کے سلسلے میں مختلف ذمہ داریاں سونپ دی تھیں۔ ضرورت سے زیادہ ماہانہ اخراجات کے لیے رقمیں بھی دیتا رہتا تھا۔ یہ کہنا چاہیے کہ وہ مختارِ کل تھا۔ ایک حاکم کے طور پر اس نے بیٹوں کو مختلف وزارتیں سونپ دی تھیں اور انہیں اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ایسے خشک کاروباری ماحول میں پیار و محبت کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بیٹے اور بیٹیاں جوان ہوکر پھولوں کی طرح کھل رہے تھے‘ پیار کی خوشبوئیں لٹارہے تھے اور جیسا کہ ہوتا آیا ہے... ان پیار کرنے والوں کی راہوں میں روڑے بھی اٹکائے جارہے تھے۔

یہ محبت کے واقعات موسیٰ بھائی کے پوتوں پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے دور سے شروع ہوئے۔ بڑے بیٹے شجاعت کے بیٹے کا نام فرہاد اور بیٹی کا نام صنم تھا۔

دوسرے بیٹے شعبان سے ہونے والے بیٹے کا نام ذیشان اور بیٹی کا نام شمع تھا۔ محبت کا چکر یوں چلا کہ فرہاد اور شمع ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہوگئے مگر یہ عشق آسان نہیں تھا۔ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر تھا۔

شجاعت نے چھوٹے بھائی شعبان سے کہا۔ ”ڈیڈی اپنے بزنس کا جو حصہ مجھے دیں گے۔ وہ وراثت میں میرے بیٹے فرہاد کو ملے گا اور یہ کم بخت تمہاری بیٹی کا دیوانہ ہے۔ بیٹیاں بڑی آسانی سے الو بناتی ہیں۔ یہ الو بن کر اپنا تمام حصہ تمہارے کاروباری حصے میں منتقل کردے گا۔ میں تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔“

موسیٰ بھائی نے ان دونوں بھائیوں سے کہا۔ ”میں بچوں کا دادا ہوں۔ میرا حکم ہے کہ فرہاد‘ شمع سے اور ذیشان‘ صنم سے شادی کرے۔ اس طرح یہ کاروباری شادیاں ہوں گی۔ کوئی باہر سے آکر رشتے دار بن کر ہمارے بزنس کا حصہ نہیں بنے گا۔“

یہ کاروباری ذہانت اپنی جگہ درست تھی مگر ذیشان کا مزاج کچھ اور تھا۔ وہ اپنے تایا کی بیٹی صنم کو نہیں کسی اور کو چاہتا تھا۔ اسی طرح صنم بھی ایک خوبرو جوان کو اپنا آئیڈیل بناچکی تھی۔

جہاں محبت ہوتی ہے۔ وہاں معمول کے مطابق ازل سے ایسے ہی مسائل پیدا ہوتے آرہے ہیں۔ شجاعت نے بیٹے سے کہا۔ ”میں تو تمہارا نام فرہاد رکھ کر پچھتا رہا ہوں۔ فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ توڑ کر دودھ کی نہر نکالی تھی۔ تم شمع کی خاطر میرے خون کی نہر کو چچا کی طرف موڑ دو گے۔ تمام شیئرز اس کی جھولی میں ڈال دو گے۔“

فرہاد نے کہا۔ ”اس طرح آپ دونوں بھائیوں کا کاروبار ایک ہوگا۔ میرے تین چچا اور ہیں۔ آپ دونوں متحد ہوکر ان تینوں کے مقابلے میں چالیس فیصد کے شیئرز ہولڈر بن جائیں گے۔“

باپ نے کہا۔ ”ایسا تب ہوگا‘ جب ذیشان تمہاری بہن صنم سے شادی کرے گا۔ وٹے سٹے کے بعد ہی ہمارا اتحاد مضبوط ہوسکے گا۔ تم اپنے شعبان چچا کی چالاکی نہیں سمجھ رہے ہو۔ وہ ذیشان کی شادی ایک ارب پتی گھرانے میں کرائے گا۔ اس ارب پتی کی ایک ہی بیٹی ہے۔ تم ذیشان سے زیادہ خوبرو اور اسمارٹ ہو۔ اگر اس لڑکی سے شادی کرو گے تو...“

وہ انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ ”ہرگز نہیں... محبت کرنے والے کاروبار نہیں کرتے۔ میری شمع کے آگے کسی ارب پتی لڑکی کا چراغ نہیں چلے گا۔“

”تم گدھے ہو۔“

”آپ میرے باپ ہیں۔ میں بحث نہیں کروں گا۔“

”میں تمہیں یہاں رہنے نہیں دوں گا۔ تم آگے تعلیم حاصل کرنے اسلام آباد جاؤ گے اور سیاسی چالیں چلنا سیکھو گے۔“

اس نے جانے سے انکار کردیا۔ دونوں باپ بیٹے میں بحث ہونے لگی۔ فرہاد سیکنڈ ایئر کرچکا تھا۔ شمع فرسٹ ایئر میں تھی۔ کالج کی کینٹین میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ شجاعت بیٹے کو شعبان کے گھر جاکر محبت کی پینگیں بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس شعبان نے بیٹی کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔

اسے سمجھاتا رہتا تھا۔ ”بیٹی! میں لالچی نہیں ہوں۔ شجاعت بھائی کا شیئر ہڑپ کرنا نہیں چاہتا۔ میں تو تمہاری خوشیاں چاہتا ہوں۔ رشتوں کو اور مضبوط کرنا چاہتا ہوں۔ تم کوشش کروگی تو فرہاد اپنے باپ کو راضی کرلے گا۔“

”میں فرہاد سے یہی کہتی رہتی ہوں۔ وہ میری خاطر تایا ابو سے لڑتا رہتا ہے مگر ہار جاتا ہے۔“

”وہ ذرا عقل سے کام لے گا تو جیت جائے گا۔ ایک ذہین بچہ ہے۔“

شمع نے باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”اسے راضی کرو اور تم دونوں چپ چاپ کورٹ میرج کرلو۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔ ”دادا جان ناراض ہوجائیں گے۔ وہ اپنے پہلے پوتے اور پوتی کی شادی خوب دھوم دھام سے کرنا چاہیں گے۔“

”ان کی ناراضی پائیدار نہیں ہوگی۔ جب کورٹ میرج ہوجائے گی تو وہ شجاعت بھائی کو راضی کرلیں گے پھر دنیا والوں کو دکھانے کے لیے دوسری بار تمہاری شادی کی دھوم دھام کریں گے۔“

”کیا آپ کو یقین ہے‘ وہ راضی ہوجائیں گے؟“

”پورا یقین ہے۔ پہلے تم فرہاد کو راضی کرو۔ یہ پرانی کہاوت ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی...؟ کوئی تم دونوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔“

شمع نے دوسرے دن کینٹین میں کہا۔ ”فرہاد! تم حوصلہ کرو گے تو ہماری دوریاں‘ مجبوریاں سب ختم ہوجائیں گی۔“

”میں تمہارے لیے جان کی بازی لگا سکتا ہوں اور کیسا حوصلہ چاہتی ہو؟“

”جان کی بازی لگاؤ گے تو ہمیشہ کے لیے دور ہوجاؤ گے۔ میں روتی رہ جاؤں گی۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔“

وہ میز پر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ”تدبیر کیا ہے؟“

”ہم چپ چاپ رازداری سے کورٹ میرج کرسکتے ہیں۔“

اس نے چونک کر اسے بے یقینی سے دیکھا پھر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ دادا جان کے جوتے پڑیں گے۔ وہ بولیں گے تو ڈیڈی مجھے عاق کردیں گے۔ کیا مجھے کنگال ہوتے دیکھ سکو گی؟“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ”کنگال ہوں تمہارے دشمن... ہم دادا جان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ پہلے تو ناراض ہوں گے پھر مان جائیں گے۔“

وہ سوچنے لگا۔ شمع نے کہا۔ ”دادا جان ہمارے رشتے کے لیے راضی ہیں۔ تمہارے ڈیڈی خواہ مخواہ انکار کررہے ہیں۔ بعد میں وہ بھی مان جائیں گے۔ میری بات مانو۔ مجھ سے کورٹ میرج کرلو۔“

”میں تمہیں ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن ذرا سوچنے تو دو۔“

وہ کھانے‘ پینے اور سوچنے لگا۔ شمع نے کولڈ ڈرنک کا آخری گھونٹ پی کر کہا۔ ”کب تک سوچتے رہو گے؟ یہ کوئی کشمیر کا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ اسے ہم ہی حل کرسکیں گے۔“

وہ پھر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ”جب تک ہم خود مختار نہیں ہوں گے‘ تب تک ہمیں بزرگوں کے ہر فیصلے کے سامنے سر جھکانا اور اپنے خود مختار ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے؟ ہمیں آگے تعلیم و تربیت حاصل کرنی ہے۔ بزرگوں کا دل جیتنا ہے۔ اپنی عمر سے آگے... وقت سے پہلے کورٹ میرج کرکے ان کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہیے۔“

اس نے گھور کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ”بڈھے‘ بڈھیوں کی طرح نصیحتیں کیوں کررہے ہو؟ صاف کہہ دو‘ میری خاطر بغاوت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔“

”ایسا نہ کہو۔ میں بزرگوں سے اپنی بات منواؤں گا مگر بغاوت سے نہیں محبت سے... ذرا صبر کرو۔“

”زیادہ صبر کرنے سے کھلے ہوئے پھول مرجھا جاتے ہیں۔ صبر کا پھل ذائقہ کھودیتا ہے۔“

”بھئی! اتنی دیر نہیں ہوگی۔“

”دیر تو ہوگی۔ ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ جب تک دادا جان اور ہمارے والدین وفات نہ پاجائیں۔ تمام

بزنس ہمارے ہاتھوں میں نہ آجائے اور پورے خاندان پر ہماری حکومت قائم نہ ہو جائے۔''

''پلیز... بزرگوں کے بارے میں ایسی باتیں نہ کرو۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔''

شمع نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''ہم جو کچھ بزرگوں سے سیکھتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ کیا میرے تمہارے ڈیڈی' تینوں چچا اور تینوں دادیاں' دادا جان کے وفات پانے کا انتظار نہیں کر رہے ہیں؟''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''ہاں' وہ دادا جان کے منہ پر تو دعائیں دیتے ہیں اور پیٹھ پیچھے ان سے نجات پانے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ تمام کاروبار کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آجائے۔''

''دادا جان بھی ایسے ہی ہیں۔ سب کو تجسس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ نہ کوئی وصیت لکھتے ہیں نہ کوئی اشارہ دیتے ہیں کہ تمام بزنس اور خاندان کی سربراہی کسے ملے گی؟''

فرہاد نے کہا۔ ''وہ اچھا کرتے ہیں۔ ایک ہی بات کہتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ خود کو اہل ثابت کرے گا' اسی کے ہاتھوں میں تمام بزنس کا کنٹرول دیا جائے گا۔''

وہ پھر ہاتھ نچا کر بولی۔ ''کوئی اہل نہیں ہے۔ اپنے بڑوں کے متعلق ایسا کہنا تو نہیں چاہیے۔ مگر ہم یہ بیچ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے والدین اور تینوں چچا خوب ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ کاروبار کی اور اپنے خاندان کی ساکھ بگاڑ رہے ہیں۔''

پھر وہ چونک کر بولی۔ ''یہ ہم اپنی بات کرتے کرتے بزرگوں کا بخیہ کیوں ادھیڑنے لگے؟ تم کورٹ میرج نہیں کرنا چاہتے۔ اس لیے مجھے دوسری باتوں میں الجھا رہے ہو۔''

''جب حالات مجبور کریں گے اور ہمارے سامنے شادی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا تو ہم ضرور ایک دوسرے کا مضبوط سہارا بن جائیں گے۔ ابھی نہ بات زیادہ بگڑی ہے نہ ہمیں بگاڑنی چاہیے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''تمہاری باتیں سن کر پہلے غصہ آتا ہے پھر عقل سمجھاتی ہے کہ تم سچے اور کھرے ہو۔ یہاں سب ہی دادا جان سے جھوٹ بولتے ہیں' انہیں دھوکا دیتے ہیں مگر تم اپنے ایمان پر قائم رہتے ہو۔ اسی لیے تو میں تم پر مرتی ہوں۔''

شمع نے بڑی محبت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ اس نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھام کر کہا۔ ''آئی لو یو......''

☆☆☆☆☆

موسیٰ بھائی کی نہاری پورے شہر میں مشہور تھی۔ دوسرے شہروں سے بلکہ دوسرے ملکوں سے آنے والوں کی بولیاں ایک نہیں ہوتیں۔ زبانیں الگ الگ ہوتی ہیں مگر وہ سب زبان کا چٹخارہ لینے کے لیے موسیٰ بھائی کی نہاری کھانے پرانی نمائش کے چوراہے پر ضرور آتے تھے۔

تقریباً تیس برس پہلے پرانی نمائش کے چوراہے پر نہاری کی وہ اکلوتی دکان تھی۔ دوپہر اور رات کے کھانے کے وقت لوگوں کی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ ہوٹل کے باہر بھی دور تک میزیں اور کرسیاں لگائی جاتی تھیں پھر بھی جگہ کی کمی کے باعث لوگ پارسل بنوا کر گھر لے جاتے تھے۔

ان کی شہرت اور جھولی بھر منافع دیکھ کر بے شمار ہوٹل والوں نے جگہ جگہ نہاری ہوٹل کھولے۔ اپنی خوب پبلسٹی کی۔ گاہکوں کو اپنی طرف کھینچنے کے سیکڑوں جتن کیے۔ مگر موسیٰ بھائی کے گاہکوں میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور وہ شہر کے خاص خاص مقامات پر نہاری ہوٹل کھولتے چلے گئے۔

یوں چین آف ہوٹلز قائم کرنے کے باعث موسیٰ بھائی نے تاجر برادری میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ پہلے وہ لیاری کے پسماندہ علاقے میں رہتے تھے لیکن اب سوسائٹی اور ڈیفنس میں ان کی اور بیٹے بیٹیوں کی کوٹھیاں ہی کوٹھیاں تھیں۔ محض ایک نہاری کے پکوان نے انہیں فرش سے اٹھا کر عرش کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔

ایک ملک ہو یا ایک گھرانا... اسے قائم رکھنے اور خوشحال بنانے کے لیے دن رات جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ موسیٰ بھائی نے مسلسل محنت و مشقت کی انتہا کردی تھی۔ محنت کا صلہ سب کو ملتا ہے۔ انہیں بھی مل رہا تھا مگر اس عزت اور نیک نامی کو آئندہ بھی قائم رکھنے کے لیے ایسی ہی ذمے داری اور فرض شناسی لازمی تھی۔

بے حسی اور بے پروائی کے باعث بڑی محنت سے بنائی ہوئی خوبصورتی کو بگاڑنے اور بدصورت بنانے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔ ان کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی ہوس اور ان کا طرزِ عمل بتا رہا تھا کہ آئندہ وہ گھرانا اور وہ مستحکم کاروبار دیر تک مضبوط اور قائم نہیں رہ پائے گا۔

یکے بعد دیگرے جوان ہونے والے پانچ بیٹے ان کا سہارا اور مضبوط بازو بن سکتے تھے۔ انہوں نے بڑے بیٹے شجاعت کو پرانی نمائش والے ہوٹل کی ذمے داریاں سونپ دیں۔ برنس روڈ' طارق روڈ' کلفٹن اور لیاقت آباد کے ہوٹل

دوسرے چار بیٹوں کے حوالے کردیے۔ انہیں سختی سے تاکید کی کہ وہ ہر حال میں کاروبار کی نیک نامی اور منافع کو برقرار رکھیں گے۔

نیک نامی کو برقرار رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اس کے لیے دیانت داری لازمی ہوتی ہے۔ انہوں نے ہوشیاری سے سوچا کہ سارا منافع باپ کے پاس کیوں پہنچایا جائے؟ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے خفیہ طور پر بینک بیلنس بڑھانا ضروری ہے۔ پتا نہیں بڑے میاں کب اللہ کو پیارے ہوں گے اور کب وہ کاروبار ہمارے حوالے کریں گے؟ جب چور دروازے سے لوٹ مار ممکن ہے تو اسے رازداری سے جاری رکھنا چاہیے۔

موسیٰ بھائی حساب کے پکے تھے۔ اپنی کاروباری مملکت کو قائم رکھنا جانتے تھے۔ کسی روز ملکی حالات خراب ہونے کے باعث آمدنی کم ہوتی تو وہ برداشت کرلیتے مگر ہیرا پھیری کے باعث مقررہ آمدنی میں کمی ہوتی تو وہ سب سے نوٹس لیتے تھے اور وارننگ دیتے تھے کہ دوسرے دن منافع اپنے معمول پر نہیں آئے گا تو اس بیٹے سے ہوٹل کی وزارت چھین لیں گے پھر اسے ماہانہ تنخواہ بھی نہیں ملے گی۔

ان میں سے کوئی بھی بیٹا صرف ایک ہوٹل کی وزارت نہیں بلکہ پورے چین آف ہوٹلز کی حکومت چاہتا تھا۔ ان سب کی خواہش باپ کی زندگی میں پوری نہیں ہوسکتی تھی اور بڑے میاں کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کے لیے مجرمانہ کارروائی کرنے کا کسی میں حوصلہ نہیں تھا۔ لہٰذا وہ دوسرے چور راستوں سے اضافی منافع حاصل کرنے لگے۔

پانچ ہوٹلوں میں نہاری کے گوشت کے لیے روزانہ دس گیارہ بھینسیں ذبح کی جاتی تھیں۔ ان دنوں دو ہزار میں ایک بھینس مل جاتی تھی۔ جو بھینسیں دودھ دینے کے قابل نہیں رہتیں۔ ان کی قیمت آدھی سے بھی کم رہ جاتی تھی۔ موسیٰ بھائی نے بیمار یا مردہ جانوروں کا گوشت نہاری میں کبھی نہیں پکوایا مگر ایسی بے ایمانی اور غیر انسانی حرکتیں بیٹوں نے شروع کردیں۔

بیمار بھینسیں پانچ سو میں اور مردہ سو دو سو روپے میں مل جاتی تھیں پھر ملاوٹ شدہ تیل' گھی اور گرم مصالحے استعمال ہونے لگے تو نہاری کے پکوان میں لاگت کم ہوگئی اور منافع دوگنا ہوگیا۔

ان پانچ بھائیوں میں میل محبت نہیں تھی لیکن منافع حاصل کرنے کے معاملے میں وہ ایک دوسرے کے رازدار بن گئے تھے۔ سب نے مل کر باپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ ان میں سے ہر بھائی روزانہ دس سے پندرہ ہزار روپے کمانے لگا تھا۔ ایمان تو پہلے ہی کمزور تھا۔ ایسی اندھی کمائی کے آگے بے ایمانی اور بے حسی اور زیادہ مسلط ہوگئی۔

کسی کا نام اور کام متاثر کرے تو لوگ اس کی نیک نامی اور بہترین کارکردگی کے معترف ہوجاتے ہیں۔ آنکھ بند کرکے اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں۔ ایک عرصہ دراز سے تمام گاہک موسیٰ بھائی کے نام پر اور ہوٹل کے پکوان پر یقین رکھتے تھے۔ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پکوان میں ملاوٹ ہونے لگی ہے۔

گاہک آتے تھے کھاتے تھے۔ پہلے جیسی لذت اور چٹخارے میں ایک بے نام سی کمی محسوس کرتے تھے مگر اس کمی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کے حواس پر موسیٰ بھائی کی ایمانداری اور نیک نامی مسلط رہتی تھی۔ وہ بے خبری اور لاعلمی کے باعث ملاوٹ کرنے والوں کی بے ایمانی اور منافع خوری کو قبول کر رہے تھے اور پھلنے پھولنے کے لیے ہوا دیتے جا رہے تھے۔

یہ عجیب سی بات ہے کہ ایک یا دو افراد کو دھوکا دیا جائے تو وہ اپنی ذہانت سے فریب اور بے ایمانی کو سمجھ لیتے ہیں مگر پوری قوم سمجھ نہیں پاتی۔ علامہ اقبال اور قائداعظم نے ایک صاف ستھری اور صحت بخش نہاری پکا کر پیش کردی۔ اب اس میں ملاوٹ ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی لیکن قوم اپنے اقبال اور جناح کی حسنِ کارکردگی اور نیک نامی سے روحانی طور پر وابستہ ہے۔ ملاوٹ اور فریب کو نہیں سمجھ رہی ہے۔ سمجھتی بھی ہے تو طوعاً کرہاً اس پکوان کو نگل رہی ہے۔ نہ تھوک رہی ہے نہ قے کر رہی ہے۔ کمال ہے کہ ہضم کرتی جا رہی ہے۔

موسیٰ بھائی کے لیے تازہ گوشت' خالص گھی اور خالص مصالحوں کی نہاری الگ سے پکوائی جاتی تھی۔ اس لیے باپ کو ایک عرصے تک بیٹوں کے فراڈ کا علم نہ ہوسکا۔ ایک روز وہ اچانک ہی بڑے بیٹے شجاعت سے ملنے ہوٹل میں آیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے ملازم سے نہاری منگوائی پھر اسے کھانے بیٹھا تو پہلا لقمہ چباتے ہی چونک گیا۔ اسے طویل عرصے سے اپنے کھرے اور مصفا پکوان کا تجربہ تھا۔ اس نے واش بیسن کے پاس آکر لقمہ تھوک کر بوڑھے کیشئر کو طلب کیا۔

کیشئر بی جان تیس برسوں سے وہاں ملازمت کررہا تھا۔ باپ کی دیانتداری اور بیٹوں کی بے ایمانی دیکھتا رہا تھا۔ پوچھنے پر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ شدید حیرانی اور پریشانی سے موسیٰ بھائی کے دیدے پھیل گئے۔ وہ چکرا کر بیٹھ

کیا۔ یہ بھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ اس کے ہوٹلوں میں بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت پکایا جا رہا ہے۔

وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ بیٹا سامنے ہوتا تو پھٹ پڑتا۔ اس نے حکم دیا۔ ''شٹر ڈاؤن کر دو۔ میں جب تک اجازت نہ دوں یہ ہوٹل نہیں کھلے گا۔''

نبی جان اور دوسرے ملازمین نے گاہکوں سے معذرت چاہی۔ انہیں باہر جانے کو کہا پھر ہوٹل بند کر دیا۔ موسیٰ بھائی نے حکم دیا۔ ''گوشت کا جتنا سالن اور نہاری پکائی گئی ہے اسے بڑی رازداری سے ضائع کر دو۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟''

وہ دوسرے چار ہوٹلوں میں بھی گیا۔ وہاں بھی ہوٹل بند کرنے اور تمام نہاری پھینکنے کا حکم دیا پھر گھر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ سوچ کر سر گھوم رہا تھا کہ تمام بیٹے اس کی مملکت میں با اختیار بن کر ہزاروں لوگوں کو مردہ جانوروں کا گوشت کھلاتے رہے ہیں۔ یہ غیر انسانی فعل ناقابلِ معافی تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ساری اولادیں انسان سے شیطان کیسے بن گئی ہیں؟

وہ ہر پہلو سے سوچتا رہا پھر یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس نے کاروبار اولاد کے نام نہیں کیا ہے۔ اسی لیے سب درپردہ لوٹ مار کر رہے ہیں۔ منافع خوری کے لیے معصوم گاہکوں کو بیماریاں کھلا رہے ہیں۔ اگر تمام کاروبار ان کے حوالے کر دیا جاتا تو وہ اور نہ جانے کیسی کیسی غیر انسانی حرکتیں کرتے رہتے؟

اس روز بیٹوں نے باپ کا سامنا نہیں کیا۔ وہ یکجا ہو کر موجودہ حالات پر غور کرنے اور آپس میں مشورے کرنے لگے۔ ایک نے کہا۔ ''بابا جانی کو ہم پر غصہ آ رہا ہو گا مگر ہم چھوٹے بچے نہیں ہیں۔ وہ بوڑھے اور بیمار ہیں۔ ہماری پٹائی نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ گالیاں ہی دیں گے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''وہ سزا دیں گے۔ تمام ہوٹلوں کو بند کرنے کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے اپنے کاروبار سے ہمیں دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا ہے۔''

تیسرے نے کہا۔ ''آج سے ہمارا روز کا منافع ختم سمجھو۔ پتا نہیں وہ کب تک ہوٹلوں کو بند رکھیں گے؟''

بڑے بھائی شجاعت نے کہا۔ ''وہ بہت بیمار ہیں۔ نقصان برداشت نہیں کریں گے۔ ہمیں بلائیں گے۔ تنبیہ کریں گے پھر ہوٹل کھولنے کا حکم دے دیں گے۔''

ایک دن کے بعد دوسرا دن بھی گزر گیا۔ موسیٰ بھائی نے محاسبہ کرنے کے لیے کسی بھی بیٹے کو طلب نہیں کیا۔ وہ پانچوں سن گن لے رہے تھے۔ پتا چلا باپ نے اپنے وکیل کو بلا کر بند کمرے میں گھنٹوں بات چیت کی ہے۔ شاید وصیت تیار کی گئی ہے۔ باہر جاتے وقت بھی وہ اپنے کیشئر نبی جان کو ساتھ رکھتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے؟

تین دن کے بعد تمام ہوٹل نئی انتظامیہ کے تحت کھل گئے۔ نبی جان نے فون کے ذریعے ان پانچوں سے رابطہ کیا اور کہا۔ ''موسیٰ بھائی کا حکم ہے کوئی بیٹا کسی ہوٹل میں قدم نہ رکھے۔ اگر کوئی کسی طرح کا حق جتا کر آنا چاہے گا تو اسے دھکے دے کر نکال دیا جائے گا۔''

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں کاروبار سے اچانک یوں بے دخل کر دیا جائے گا۔ ان کا خیال تھا، بابا جانی انہیں طلب کریں گے۔ ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ محاسبہ کیا جائے گا۔ باتیں سنائی جائیں گی پھر ان کی وزارتیں بحال کر دی جائیں گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ باپ نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ جیسے بیٹے نہیں ملازم تھے۔ انہیں کسی نوٹس کے بغیر نکال دیا گیا تھا۔

وہ پانچ بیٹے اس کی تین بیویوں سے تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی ماؤں سے کہا۔ ''بابا جانی نے ہم سے بات تک نہیں کی ہے۔ کچھ کہے سنے بغیر کاروبار سے بے دخل کر دیا ہے۔ اگر انہوں نے معاف نہ کیا۔ ہمارے ہوٹل ہمیں واپس نہیں کیے تو ہم لاکھوں روپے کی آمدنی سے محروم ہو جائیں گے۔''

ان کی ممتا تڑپ گئی۔ وہ اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ دربار میں حاضر ہو گئیں۔ ان کے لیے معافی کی التجائیں کرنے لگیں۔ جواباً انہیں بھی گالیاں سننی پڑیں۔ موسیٰ بھائی نے بیٹوں کی طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ ''شیطانوں پر تھوکنا چاہیے۔ یہ انسان نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اعتماد کرنے والے گاہکوں کو ہماری روزی کا وسیلہ بنایا ہے۔ ہم جن سے عزت اور دولت کما رہے ہیں۔ انہی بے چاروں کو دھوکا دیا جا رہا تھا۔ انہیں بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت کھلایا جا رہا تھا۔''

اس نے پھر ایک بار ان کی طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے نہیں... شیطان کی اولاد ہیں۔ میں ان پر ایک بار نہیں ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ پچھلے دو برسوں سے حرام کھاتے رہے اور مجھے بھی کھلاتے رہے۔ میں بے خبر تھا۔ خدا مجھے معاف کرے گا مگر انہیں معافی نہیں ملے گی۔''

وہ پانچوں قسمیں کھانے لگے کہ آئندہ ایسی انسانیت سے گری ہوئی حرکت نہیں کریں گے۔ اس نے کہا۔ ''تم لوگوں کے پاس اچھی خاصی حرام کی کمائی ہے۔ اس سے اپنا

کاروبار شروع کرو اور پوری ایمانداری سے کرو۔ میں اب تک جی رہا ہوں۔ جب تک تمہارے جھوٹ، بدی اور نیکی کا حساب کرتا رہوں گا پھر جس کے اعمال درست ہوں گے اس کے نام ایک ہوٹل لکھ دوں گا۔''

بیٹوں نے کہا۔ ''ہم میں سے کسی کے پاس دس لاکھ، کسی کے پاس پندرہ اور کسی کے پاس بیس لاکھ ہیں۔ ہم اس چھوٹی سی رقم سے بڑا کاروبار نہیں کر سکیں گے۔''

اس نے کہا۔ ''میں نے صدر میں ٹھیلا لگا کر پانچ سو روپے سے کاروبار شروع کیا تھا۔ تمہارے پاس تو لاکھوں روپے ہیں۔ یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دو کہ میں بھی ایک پیسے سے تمہاری مدد کروں گا۔''

یہ بات پتھر کی لکیر تھی کہ آئندہ اس کے دروازے سے تین وقت کی روٹی تو مل سکتی تھی لیکن تین پیسے نہیں مل سکتے تھے۔ ایک بوڑھا باپ ان کے مقابلے میں طاقتور اور با اختیار تھا۔ صرف اس لیے کہ تمام ہوٹل اور کاروبار میں منافع کا مالک وہی رہتا تھا۔ اس نے اپنی مملکت کا کوئی چھوٹا سا حصہ بھی کسی بیٹے کے نام نہیں کیا تھا۔

جن کوٹھیوں میں بیٹے رہتے تھے۔ وہ پانچ کوٹھیاں بھی اپنے ہی نام سے خریدی تھیں۔ ایک بوڑھے اور مستقل بیمار رہنے والے باپ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے کسی بیٹے کے پاس دولت، جائیداد اور کسی طرح کا قانونی سہارا نہیں تھا۔ کوئی اس کے آگے منہ کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

موسیٰ بھائی اپنے بوڑھے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا۔ ''یہ ہوتی ہے دانائی... دولت اور جائیداد بھی اولاد کے نام نہ لکھو۔ انہیں محتاج بنا کر رکھو گے تو وہ تمہارے بڑھاپے کی آخری سانسوں تک خدمت گزار اور وفادار بن کر رہیں گے۔''

اتنی دانائی کے باوجود وہ اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے انسان پیدا کیے تھے مگر وہ شیطان کی اولاد بن گئے تھے۔ یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اس کی وفات کے بعد تمام کاروبار ان شیطانوں کے ہاتھ آئے گا تو اندھیر ہو جائے گا۔ وہ خدا کو کیا جواب دے گا؟ اس سے پوچھا جائے گا۔ ''کیوں... وہ کیوں ہزاروں معصوم گاہکوں کو بے ایمانوں اور مجرموں کے حوالے کر کے آیا ہے؟''

اور وہ جواب نہیں دے پائے گا۔

☆☆☆

اگرچہ موسیٰ بھائی بیٹوں کی صورت نہیں دیکھتا تھا۔ تاہم اہم خاندانی معاملات میں ان کے لیے احکامات جاری کرتا رہتا تھا۔ بیٹے ان احکامات کی تعمیل اس لیے کرتے تھے کہ آج نہیں تو کل باپ کی تمام دولت، جائیداد اور کاروبار ان کے نام ہونے والا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ سعادت مندی اور فرماں برداری دکھا کر زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔

موسیٰ بھائی نے اپنے پوتے فرہاد اور پوتی شمع کے متعلق یہ حکم جاری کیا تھا کہ آئندہ انہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا جائے گا۔ بظاہر اس حکم پر اعتراض نہیں کیا گیا لیکن شجاعت نے اپنے چھوٹے بھائی شعبان سے کہا۔ ''اگر میں تمہاری بیٹی شمع کو اپنی بہو بناؤں گا تو تم اپنی بیٹی [illegible] ہو جاؤ گے۔''

شعبان نے کہا۔ ''وٹے سٹے والی رشتے داری پائیدار نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہ شمع غصے کی تیز ہے۔ میرے بیٹے ذیشان سے لڑتی رہتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار رہتے ہیں۔''

''تم خواہ مخواہ باتیں بنا رہے ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ اب بھی تاجر سلمان ارشد کی اکلوتی بیٹی کو بہو بنا کر [illegible] اب بھی بیٹے کا خواب دیکھ رہے ہو؟''

''سب ہی راتوں رات دولت مند بننے کے خواب دیکھتے ہیں۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اگر تمہارا بیٹا میرا داماد بن جائے گا اور سلمان ارشد کی بیٹی میری بہو بن جائے گی تو ہم دونوں بھائی اب بھی [illegible] بابا جانی کو [illegible] پھر بھی ان کے محتاج نہیں رہیں گے۔''

فرہاد اور شمع ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ بچپن کا عشق شجاعت کو آئندہ کاروباری نقصان پہنچا رہا تھا۔ وہ بھی اب تک [illegible] کی فکر میں تھا۔ اس نے فرہاد سے کہا۔ ''یہ تم جانتے ہی ہو کہ تمہارے دادا جانی نے ہم سے کاروباری اختیارات چھین کر ہمیں محتاج بنا دیا تھا۔''

فرہاد نے کہا۔ ''مجھے پتا ہے آپ تمام بھائیوں نے ہوٹلوں کے کھانوں میں ملاوٹ کی تھی۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ اپنے دادا کی طرح [illegible] تو آج کے [illegible] حالات میں ہی [illegible] گے۔''

''اس کے باوجود [illegible]''

اس نے بیٹے کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے بحث کرو گے تو جانتے ہو کیا ہو گا؟''

''دادا جانی نے آپ کو اپنی زندگی سے نکال دیا ہے۔ آپ مجھے نکال دیں گے۔ میں کہیں بھی جا کر [illegible]

جائے۔ اس لیے بحث نہیں کروں گا۔ آپ فرمائیں... مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"تم اب یہاں نہیں رہو گے۔ مزید پڑھنے کے لیے اسلام آباد جاؤ گے۔ صرف عید بقر عید پر یہاں آؤ گے۔ سلمان ارشد سے ہمارے اچھے تعلقات ہیں۔ تم اس کے گھر جایا کرو گے اور اس کی بیٹی کا دل جیتنے کی کوشش کرتے رہو گے۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ جو کہیں گے، وہی کروں گا۔"

اس نے بیٹے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم مجھے ٹالنے کے لیے ہاں میں ہاں ملا رہے ہو؟ وہاں جا کر دھوکا دو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی آپ کو یہ خوشخبری ملے گی کہ میں نے اس ارب پتی لڑکی اریبہ کا دل جیت لیا ہے۔"

شجاعت نے خوش ہو کر بیٹے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اریبہ کا دل جیت کر یہ ثابت کرنے والے ہو کہ سچ مچ میرا ہی خون ہو۔"

اس نے اسلام آباد کے ایک کالج اور ہاسٹل میں بیٹے کا داخلہ کرا دیا۔ بیٹے نے اپنی محبوبہ سے کہا۔ "شمع! کچھ عرصے کے لیے جدائی برداشت کرلو۔ ہم دور رہ کر بھی ایک دوسرے کے دلوں میں رہیں گے اور ہر رات فون کے ذریعے ڈھیر ساری باتیں کرتے رہیں گے۔"

شمع نے پوچھا کہ وہ کس وقت، کس فلائٹ سے جا رہا ہے؟ پھر کہا۔ "میں تمہیں سی آف کرنے ضرور آؤں گی۔"

"ہاں۔ ضرور آنا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل سے تمہارا انتظار کروں گا اور دل پر پتھر رکھ کر رخصت ہو جاؤں گا۔"

لیکن رخصتی کے وقت وہ نہیں آئی۔ فرہاد نے پریشان ہو کر فون پر رابطہ کیا۔ پتا چلا، اس کا فون بند ہے۔ اس سے بات بھی نہ ہو سکی۔ وہ مایوس ہو کر جہاز میں آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر ایک برقع پوش خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ جب اس نے نقاب اٹھایا تو وہ ایکدم سے چونک گیا۔

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "شمع! تم...؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "جہاں بدن وہاں سایہ... تم میرے لیے گھنا درخت ہو پھر میں جدائی کی دھوپ میں کیوں رہتی؟ اس لیے چلی آئی۔"

اس نے آس پاس کے مسافروں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"دیکھ تو رہے ہو، تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ یہ اچانک..."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "یہ اچانک نہیں ہو رہا ہے۔ ایک ہفتہ پہلے تم نے کہا تھا، اسلام آباد کے کالج اور ہاسٹل میں داخلہ لے رہے ہو۔ میرے ڈیڈی نے وہیں کے ایک گرلز کالج میں میرا بھی داخلہ کرا دیا ہے۔ ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لیا ہے۔ تم سوچو! میں اکیلی وہاں رہ سکوں گی؟"

"یہ تو انکل کو سوچنا چاہیے تھا۔"

"ڈیڈی سوچ سمجھ کر ہی مجھے وہاں بھیج رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں، تم میرے ساتھ رہو گے۔"

"یہ... یہ انکل نے... یعنی تمہارے ڈیڈی نے ایسا کہا ہے؟"

"تم حیران کیوں ہو رہے ہو؟"

"اس لیے کہ ہم نامحرم ہیں۔"

"ہم کزن ہیں۔ ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔"

"ہاں، مگر وہ... وہ میرے ڈیڈی کو معلوم ہوگا تو مجھے واپس بلا لیں گے۔"

"انہیں معلوم نہیں ہوگا۔"

"وہ دو روز بعد اسلام آباد آنے والے ہیں۔ مجھے ہاسٹل میں نہیں پائیں گے تو..."

"تم دو چار روز ہاسٹل میں رہو گے۔ وہ واپس جائیں گے تو تم میرے پاس آ جاؤ گے۔"

"مگر وہ تو مہینے دو مہینے میں آتے جاتے رہیں گے۔"

"تم بھی ہاسٹل سے چھٹی لے کر میرے پاس آتے جاتے رہو گے۔"

"ہاسٹل سے زیادہ چھٹیاں لوں گا تو ڈیڈی کے پاس رپورٹ پہنچ جائے گی۔"

"تو پھر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لو۔ اپنے ڈیڈی سے کہو کہ ہاسٹل کی رہائش پسند نہیں ہے۔ وہاں کا کھانا بھی اچھا نہیں ہے۔ تم خود پکا کر کھاتے ہو۔ مجھ سے بحث نہ کرو۔ تم چاہو تو میری خاطر بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چونک کر بولا۔ "تمہیں یہ ساتھ والی سیٹ کیسے مل گئی؟"

"میں قطار میں تمہارے پیچھے تھی۔ تم بورڈنگ کارڈ لے کر گئے تو میں نے کاؤنٹر پر تمہارے ساتھ والی سیٹ کی فرمائش کی اور یہاں پہنچ گئی۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”تم بہت چالاک ہو۔“

وہ بولی۔ ”یہ لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کا دور نہیں ہے۔ ہمیں اپنے دور کی چالبازیوں کو سمجھ کر چالیں چلنی ہوں گی۔ تب ہی ایک دوسرے کو پاسکیں گے۔ میں تمہیں ہائے ہائے لیلیٰ کہتے ہوئے کپڑے پھاڑ کر صحراؤں میں بھٹکنے نہیں دوں گی۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”اور رانجھے کی طرح جوگی بن کر گھر گھر آبلہ پائی بھی نہیں ہونے دو گی۔“

”ہاں۔ تم کہیں نہیں بھٹکو گے۔ میرے ساتھ اپارٹمنٹ میں رہو گے۔ ہم پرانے عاشقوں کی طرح مرنے کے لیے نہیں ساتھ جینے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔“

وہ بولا۔ ”آئی لو یو... میں ساری دنیا چھوڑ دوں گا۔ تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔“

”تو پھر کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ پکڑ و ناں...“

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”یہ پبلک پلیس ہے۔ اتنا ہی کرسکتا ہوں۔ باقی آئندہ کی قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔“

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ شمع نے اس کے شانے پر سر رکھ کر ایک گہری سانس کھینچی۔ پھر کہا۔ ”یہی لائف ہے......“

شعبان کی بیوی فریحہ نے اپنی بیٹی شمع کے لیے اپارٹمنٹ کرائے پر لیا تھا۔ وہاں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ان دونوں کے لیے رہائش کے مکمل انتظامات کیے گئے تھے۔

فریحہ نے ایئرپورٹ پر اپنے ہونے والے داماد کو دیکھ کر اسے دعائیں دیں۔ اس کی پیشانی کو چوما پھر انہیں وہاں سے اپارٹمنٹ میں لے آئی۔

شمع نے اندر آکر ہر طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مما! آپ نے بڑے سلیقے سے ڈیکوریٹ کیا ہے۔ یہاں رہنے کا مزہ آئے گا۔“

فریحہ نے فرہاد سے کہا۔ ”بیٹے! تم چپ چپ سے ہو۔ کیا یہ جگہ پسند نہیں ہے؟“

وہ جلدی سے بولا۔ ”اوہ نو آنٹی! یہ تو بہت اچھی جگہ ہے۔ میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا مگر......“

شمع نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”مگر ڈیڈی سے ڈر لگتا ہے۔“

”پلیز۔ ایسا نہ کہو۔ میں ڈرتا نہیں ہوں۔ یہاں آپ دونوں کے ساتھ رہنے کا معاملہ ہے۔ سوچتا ہوں‘ کچھ ایسا ہو جائے کہ ڈیڈی میرے یہاں رہنے پر اعتراض نہ کریں۔“

فریحہ نے کہا۔ ”اس کا تو ایک ہی راستہ ہے۔ تم دونوں رازداری سے کورٹ میرج کرلو پھر تمہارے ڈیڈی تو کیا دادا بھی اعتراض نہیں کرسکیں گے۔“

شمع نے کہا۔ ”مما! میں یہ پروپوزل انہیں دے چکی ہوں مگر پتا نہیں‘ کیسے انہوں نے مجھے قائل کرلیا کہ ابھی ہمیں شادی نہیں کرنی چاہیے؟“

فریحہ نے معنی خیز انداز میں بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ جب شادی کرنے کا جواز پیدا ہوگا تو یہ مبارک گھڑی بھی آجائے گی۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ فرہاد یہاں رہے۔ تمہیں تنہا نہ چھوڑے۔ میں تو آج رات کی فلائٹ سے چلی جاؤں گی۔“

بیٹی نے کہا۔ ”آپ اطمینان سے جائیں۔ میں انہیں ہوسٹل جانے نہیں دوں گی۔“

مرد کے ارادے اکثر بدل جاتے ہیں۔ لیکن عورت کوئی بات ٹھان لے تو پھر اسے ہر حال میں کر گزرتی ہے۔ اس نے ماں کو رات آٹھ بجے کی فلائٹ سے روانہ کیا۔ پھر ڈنر کے لیے فرہاد کے ساتھ ایک ہوٹل میں آگئی۔ وہ بولا۔ ”آج مجھے ہاسٹل میں جا کر اپنی انٹری کرانی تھی مگر تم نے جانے نہیں دیا۔ کل تو جانا ہی ہوگا۔“

شمع نے کھانے کا آرڈر دینے کے بعد کہا۔ ”تمہارے ڈیڈی چاہتے ہیں‘ تم یہاں رہ کر اس ارب پتی لڑکی اریبہ کا دل جیت لو۔ تم نے مجھ سے یہی کہا تھا ناں؟“

”ڈیڈی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ اریبہ کو چھوڑو‘ اپنی بات کرو۔“

”اپنی ہی بات کررہی ہوں۔ آج سے میں اریبہ بن جاتی ہوں۔“

اس نے چونک کر پوچھا۔ ”یہ کیا بات ہوئی؟ تم اریبہ کیوں بنو گی؟“

”تاکہ تم میرا دل جیت لو اور ابھی اپنے ڈیڈی کو یہ خوشخبری سناؤ کہ پہلی ملاقات میں تم نے اریبہ کو شیشے میں اتار لیا ہے اور وہ تمہیں ہاسٹل جانے سے پہلے ہی اپنے پرائیویٹ بنگلے میں لے آئی ہے۔“

وہ الجھ گیا۔ کچھ سمجھ نہیں پارہا تھا۔ سر جھٹک کر بولا۔ ”ایسی فلمی کہانیاں ہماری زندگی میں پیش نہیں آتیں۔ صرف کتابوں میں ٹی وی یا سینما کی اسکرین پر دکھائی دیتی ہیں۔“

وہ بولی۔ ”کہانیاں آسمان سے نہیں اترتیں۔ یہ ہمارے معاشرے میں جنم لیتی ہیں پھر کتابوں میں شائع ہوتی ہیں اور اسکرین پر نظر آتی ہیں۔“

ویٹر کھانے کی ڈشیں لا کر رکھنے لگا۔ جب وہ چلا گیا تو شمع نے کھانے کے دوران بتایا کہ وہ اس کے ساتھ اپارٹمنٹ میں رہنے اور اریبہ کا رول ادا کرنے کے لیے کراچی سے کیسی پلاننگ کر کے آئی ہے؟

وہ بول رہی تھی اور وہ توجہ سے سن رہا تھا۔ وہاں کھانے کے بعد اپارٹمنٹ میں آنے تک وہ اسے ایک ایک پہلو سے سمجھاتی رہی اور وہ سمجھتا رہا۔ پھر اس نے فون کے ذریعے اپنے ڈیڈی سے رابطہ کیا۔ شجاعت نے فون پر کہا۔ ”تم صبح وہاں پہنچے تھے اور اب آدھی رات کو فون کررہے ہو۔ اب تک کیا کررہے تھے؟“

”ڈیڈی! آپ میری آج کی مصروفیات سنیں گے تو خوشی سے اچھل پڑیں گے۔“

”تم نے ایسا کیا تیر مارا ہے کہ میں خواہ مخواہ اچھل پڑوں گا؟“

”کیا بتاؤں؟ سمجھ میں نہیں آتا‘ کیسے سناؤں؟ کہاں سے شروع کروں؟“

”کیوں مجھے الجھا رہے ہو؟ بولو بھی کیا بات ہے؟“

”دل تھام کر سنیں۔ یہاں ایئرپورٹ پر اترتے ہی ارب پتی سلمان ارشد اور ان کی صاحبزادی اریبہ سے سامنا ہوگیا۔ وہ دونوں کسی عزیز کو سی آف کرنے آئے تھے۔ انہوں نے مجھے اور میں نے انہیں پہچان لیا۔“

شجاعت نے خوشی سے چیخ کر کہا۔ ”میں واقعی اچھل پڑا ہوں۔ مارے خوشی کے بیٹھا نہیں جارہا ہے۔ آگے بولو۔“

”آگے پھر اچھل پڑیں گے۔ انہوں نے مجھے گلے لگا لیا۔“

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”کیا دونوں نے؟“

”بیٹی نے نہیں۔ صرف باپ نے گلے لگایا۔ ذرا سمجھا کریں۔“

”اچھا ٹھیک ہے پھر کیا ہوا؟“

”وہ ارب پتی ہیں۔ بہت مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کہیں ضروری کام سے جانا تھا۔ انہوں نے اریبہ سے کہا کہ بیٹی! فرہاد میاں جہاں جانا چاہتے ہیں‘ انہیں وہاں پہنچا دو۔ میں ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کرنے جارہا ہوں۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”وہ مجھے اریبہ کے حوالے کر کے چلے گئے۔ ہم باپ بیٹے بہت کمی ہیں۔ آپ نے جو چاہا تھا‘ وہی ہورہا تھا۔ مجھے اریبہ کا دل جیتنے کا موقع مل رہا تھا۔“

”خدا کا شکر ہے۔ موقع مل رہا تھا۔ آگے بولو...؟“

”میں اس کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ اریبہ نے بتایا کہ وہ کار اسی لاکھ روپے کی ہے۔ ایسی خوبصورت‘ آرام دہ ایئرکنڈیشنڈ کار تھی کہ بیٹھتے ہی نیند آنے لگی۔“

”کیا بکواس کررہے ہو؟ ایسا گولڈن چانس مل رہا تھا اور تم سونے لگے۔“

”ہاں۔ شاید میں سو جاتا مگر اریبہ نے ایسی بات کہہ دی کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ بلکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔“

”اس نے ایسی کیا بات کہہ دی؟ جلدی جلدی بولو۔ میں بیٹھے بیٹھے اٹھ جاتا ہوں۔“

”اس نے بات ہی ایسی کہی ہے کہ میں بھی بیٹھ رہا ہوں‘ کبھی اٹھ رہا ہوں۔ آپ سنیں گے تو گر پڑیں گے۔“

”ارے کم بخت! مجھے گرانے کے لیے کہی وہ بات تو بتا۔ دیر کیوں کررہا ہے؟“

”اس نے کہا... اس نے کہا‘ میں بہت ہی خوبصورت اور پُرکشش ہوں۔“

”وہ جوان لڑکی ہے۔ خوبصورت اور پُرکشش تو ہوگی۔“

”اوہ ڈیڈ! اس نے خود کو نہیں‘ مجھ کو کہا کہ میں ہینڈسم اور گبرو جوان ہوں۔“

وہ خوش ہو کر بولا۔ ”کیا واقعی...؟ یعنی کہ وہ پہلی ملاقات میں تم سے متاثر ہوگئی؟“

”صرف متاثر نہیں ہوئی کچھ اور بھی ہوگئی۔ یعنی وہ ہوگیا جو میری اوقات سے باہر تھا۔“

وہ چیخ کر بولا۔ ”میرے بیٹے! تم مجھے بلڈ پریشر کا مریض بنادو گے۔ کیوں چبا چبا کر بول رہے ہو؟ جلدی جلدی بولتے کیوں نہیں؟ تمہاری اوقات سے باہر کیا ہوگیا؟“

”میں کیا بتاؤں ڈیڈ! خوشی سے بولنا چاہتا ہوں مگر شرم آرہی ہے۔“

”میرے بچے! اپنے باپ سے نہ شرماؤ۔ ہمارے ارب پتی مستقبل کا معاملہ ہے۔ چلو میں پوچھتا ہوں۔ تم ہاں یا ناں میں جواب دو... کیا اس نے شرماتے ہوئے ایسی بات کہی کہ تمہارا دل ایکدم سے دھڑکنے لگا؟“

”ہاں ہاں.... بالکل ایسی ہی بات کہی تھی۔ دل اب بھی دھڑک رہا ہے۔ آپ تو بہت تجربہ کار ہیں ڈیڈی...؟“

”کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔ تمہاری ماں نے پہلی بار آئی لو یو کہہ کر دل دھڑکایا تھا۔“

”مگر ڈیڈ! اس نے مجھے آئی لو یو نہیں کہا۔ کچھ اور ہی کہہ دیا۔“

”اور بھلا کیا کہے گی؟ فوراً بولو... اس نے کیا کہا؟“

"اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ یعنی کہ کہتے وقت وہ بہت جذباتی ہوگئی تھی۔ اس نے کہا کہ میری شکل اس کے مرحوم بھائی سے ملتی ہے۔"

دوسری طرف جیسے بھونچال سا آگیا۔ وہ ایکدم سے پھٹ پڑا۔ "کتے! کمینے! اس نے تجھے بھائی کہا اور تُو خوش ہو رہا ہے؟"

شمع ایک طرف بیٹھی منہ دبا کر ہنس رہی تھی۔ فرہاد نے فون کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم ہنس رہی ہو اور ادھر مجھے گالیاں پڑ رہی ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تم باتیں ہی ایسی کررہے ہو۔ خوامخواہ انہیں الجھا رہے ہو۔ کام کی بات کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ ابھی اس کہانی کو نئے موڑ پر لاتا ہوں۔"

اس نے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "آپ کیوں گالیاں دے رہے ہیں؟ آگے تو سنیں کیا ہوا؟"

"اور تیری بکواس کیا سنوں؟ جب وہ تجھے بھائی کہہ رہی ہے تو......؟"

"وہ مجھے نہیں کہہ رہی تھی۔"

"ابھی تُو نے یہی کہا ہے۔"

"اگر میں اس کے بھائی سے ایک ذرا مشابہت رکھتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بھائی بن گیا؟ آپ آگے تو سنیں۔"

"کیا سنوں؟ جس طرح میں چاہتا تھا' اس طرح دل نہیں جیت سکو گے۔"

"میں نے جیت لیا ہے۔"

"کیا...؟" شجاعت نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیسے جیت لیا؟ کس رشتے سے جیت لیا؟"

"جس رشتے سے آپ چاہتے ہیں۔ دراصل اس نے بھائی کو اپنا آئیڈیل بنالیا ہے۔ جس طرح بعض لڑکیاں اپنے شوہروں میں باپ کا عکس ڈھونڈتی ہیں۔ اسی طرح اریبہ نے مجھ میں اپنے بھائی کا عکس دیکھ کر مجھے اپنا محبوب بنالیا ہے۔"

اس نے تذبذب میں مبتلا رہ کر پوچھا۔ "کیا بھائی کے ہم شکل کو محبوب بنایا جاسکتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ بھلا میں دو دن کے بچے کا ہم شکل کیسے ہوسکتا ہوں؟ وہ کہہ رہی ہے۔ اس لیے مان رہا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "دو دن کا بچہ...؟"

"ہاں۔ اس کا وہ بھائی پیدا ہونے کے دوسرے دن مرگیا تھا۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"جب آپ خوش ہوتے ہیں تو مجھے تم کہتے ہیں۔ ورنہ تُو کہہ کر توہین کرتے ہیں۔"

"بیٹے! باپ کبھی اپنے بیٹے کی توہین نہیں کرتا۔ وہ تو میں غصے میں پیار سے تُو کہہ دیتا ہوں... آگے بولو؟"

"وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے فرطِ مسرت سے چیخ کر پوچھا۔ "کیا...؟"

اس کے بعد آواز بند ہوگئی۔ فرہاد نے پکارا۔ "ہیلو ڈیڈ...! ہیلو۔ ہیلو...!"

پھر اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شمع سے پوچھا۔ "کیا یہ خوشی کے مارے چل بسے ہیں؟"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ "کیا تم انکل سے اسی طرح چلے کرتے رہتے ہو؟"

"میں ان کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ جب تک ان سے گھما پھرا کر بات نہیں کروں گا' تب تک وہ قائل نہیں ہوں گے۔"

فون پر شجاعت کی آواز سنائی دی۔ "خدا کا شکر ہے۔ فون بچ گیا۔ ہیلو...... فرہاد!"

"ہیلو ڈیڈ! خیریت تو ہے؟"

"ہاں۔ وہ۔ میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ میرے ہاتھ سے فون چھوٹ گیا تھا مگر یہ زمین پر نہیں گرا۔ بیڈ پر گرا تھا... بچ گیا۔ تم بھی بھائی بنتے بنتے بچ گئے۔"

"آپ اپنی جگہ جم کر بیٹھیں۔ بار بار اچھلا نہ کریں۔"

"میری فکر نہ کرو۔ وہ خوشخبری پھر سے سناؤ۔ پھر سے میرے کانوں میں شہنائی بجاؤ۔"

"ڈیڈ! پہلے مجھے بھی یقین نہیں آرہا تھا مگر اس نے اپنے منہ سے' اپنی زبان سے کہا ہے کہ میں اس کا آئیڈیل ہوں۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر......"

وہ جلدی سے بولا۔ "دیکھو بیٹے! اگر مگر والی کوئی بات کہہ کر میرا دل نہ توڑنا۔"

"دل توڑنے والی بات نہیں ہے۔ بات ہے ایک راز کی......"

"کیسا راز...؟ جلدی بولو..."

"ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ آرام سے سنیں۔ اس نے کہا ہے' یہ راز کسی کو نہ بتایا جائے مگر آپ میرے باپ ہیں۔ آپ نہ ہوتے تو میں نہ ہوتا۔ میں آپ سے کوئی راز کیسے چھپا سکتا ہوں؟"

"شاباش بیٹا! تمہارے اندر میرا خون بول رہا

ہے۔ بولو کیا راز ہے؟"

"وہ ابھی ہماری شادی اور محبت کا اعلان نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ سے چھپ چھپ کر ملنا چاہتی ہے۔ ابھی وہ مجبور ہے۔"

"مجبوری کیسی؟ وہ تو بڑے باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"باپ کی وجہ سے ہی بات چھپانا چاہتی ہے۔"

"کیا اس کا خیال ہے کہ وہ ارب پتی سلمان ارشد تمہیں داماد بنانے سے انکار کرے گا؟"

"ہاں۔ کیونکہ وہ جسے داماد بنانا چاہتا ہے۔ اسے اریبہ پسند نہیں کرتی۔ باپ بیٹی کے درمیان جو اختلافات ہیں۔ وہ پہلے انہیں دور کرنا چاہتی ہے۔"

"اختلافات دور ہوجائیں گے ناں؟"

"ضرور ہوجائیں گے۔ اریبہ بہت ضدی لڑکی ہے۔ وہ ایک دو برس میں اپنے باپ کو منالے گی۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ "ایک دو برس...؟ وہ تو بہت لمبا ٹائم لے رہی ہے۔"

"لینے دیں... بچ کر کہاں جائے گی؟ آپ کے خوبرو بیٹے کی پرسنالٹی سے بری طرح گھائل ہوچکی ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ مجھ سے دن رات ملتی رہے گی مگر......"

"تم مگر کہتے ہو تو دل گھبرانے لگتا ہے مگر شادی تو کرے گی ناں؟"

"شادی تو اس کا باپ بھی کرے گا۔"

"اس کے باپ کی شادی ہمیں نقصان پہنچائے گی۔ اریبہ کے سوتیلے بھائی بہن پیدا ہوں گے پھر وہ اکلوتی نہیں رہے گی۔ ساری دولت ہماری طرف نہیں آئے گی۔"

"یہ بات نہیں ہے ڈیڈ! اس کا باپ شادی کے قابل نہیں ہے۔ اسے کینسر ہوگیا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے پھر تو جلدی چل بسے گا۔"

"ہاں۔ اسی لیے اریبہ ایک دو برس کا ٹائم لے رہی ہے مگر آپ ایسی بات سلمان ارشد سے نہیں کریں گے۔"

"میں پاگل نہیں ہوں۔"

"کبھی اس سے ملاقات ہوگی اور اریبہ سے بھی سامنا ہوگا تو آپ انجان بن کر رہیں گے۔ جیسے میرے اور اریبہ کے خفیہ پیار و محبت کے بارے میں کچھ جانتے نہیں ہیں۔"

"میں یہی کروں گا۔ ابھی تم کہاں ہو؟ اور اریبہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی عالیشان کوٹھی میں گئی ہے۔ شاید ابھی آجائے گی۔ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم نے اسے ناراض کیوں ہونے دیا؟"

"وہ ایسی بات منوانا چاہتی ہے کہ میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"کہتی ہے جب تک شادی نہیں ہوگی' تب تک میں اس کے ایک پرائیویٹ بنگلے میں رہوں گا۔ اسے میرا ہاسٹل میں رہنا پسند نہیں ہے مگر میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میرے ڈیڈی نے ہاسٹل میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس کے بنگلے میں نہیں رہوں گا۔"

وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ "تم گدھے ہو۔ ابھی میرے سامنے ہوتے تو تمہارا سر توڑ دیتا۔ اتنی سی بات پر اسے ناراض کردیا۔ فوراً جاؤ... اس سے معافی مانگو۔"

"مگر ڈیڈ! یہ مردانگی کے خلاف ہے۔ آپ ممی سے بھی معافی نہیں مانگتے۔"

"پتا نہیں' تم کب ڈپلومیسی سیکھو گے؟ شادی سے پہلے مرد معافی مانگتا ہے۔ شیشے میں اتارتا ہے۔ شادی کے بعد عورت پناہ مانگتی ہے۔"

"یعنی آپ کی اجازت ہے کہ میں ہاسٹل میں نہ رہوں۔ اس کے بنگلے میں چلا جاؤں؟ مگر آپ وہاں نہیں آسکیں گے کیونکہ شادی تک وہ رازداری سے محبت کرنا چاہتی ہے۔"

"میں تمہاری طرح گدھا نہیں ہوں۔ جہاں اریبہ کے ساتھ رہو گے۔ ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔ فون پر تم سے رابطہ رکھوں گا۔ چھٹیوں میں آؤ گے تو ملاقات ہوجایا کرے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں دل پر پتھر رکھ کر آپ سے دور ہوجاؤں گا۔"

پھر اس نے چونکنے کے انداز میں کہا۔ "ڈیڈ! وہ اپنی عالیشان کوٹھی سے نکل کر آرہی ہے۔ میں آپ کے حکم کے مطابق ایک عورت سے معافی مانگوں گا۔"

"عورت سے نہیں محبوبہ سے... بیوی سے یا کسی عورت سے کبھی معافی نہیں مانگی جاتی۔"

"آپ کے یہ زریں اقوال یاد رکھوں گا۔ ابھی وہ مجھے اپنے پرائیویٹ بنگلے میں لے جائے گی۔ کبھی تنہائی میں موقع ملے گا تو آپ کو کال کروں گا۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر شمع کو دیکھا پھر کہا۔ "بات بن گئی ہے۔ اس لمحے سے میں اپنی

اریبہ کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں رہوں گا۔"

شمع نے خوشی سے جھومتے ہوئے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ فرہاد کو یوں لگا جیسے ایک شعلہ سا لپٹ گیا ہو۔ وہ پہلی بار بے اختیار ایک دوسرے سے لگے تھے..... لگنے کے بعد شمع کو بھی خیال آیا کہ اس نے اچانک ہی حد پھلانگ دی ہے۔ وہ ایکدم سے شرما کر الگ ہوگئی۔

یہ تو پہلے پہل شرمانے کی ایک ادا ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ادا رہ جاتی ہے۔ شرم ڈھل جاتی ہے۔ وہ دن رات ساتھ رہنے لگے تھے۔ صرف کالج جاتے وقت بچھڑ جاتے تھے۔ اس کے بعد ایک دوسرے کی آنچ لگتی رہتی تھی۔ دھیمی آنچ پر دور سے ہانڈیاں پکتی ہیں مگر پک جاتی ہیں۔

وہ پیار کی ساون رت میں نہا گئے۔ شمع نے اس کے بازوؤں میں منہ چھپا کر کہا۔ "اب کیا ہوگا؟ میں تو تمہارے بغیر اب نہیں رہوں گی۔"

"تم میرے بغیر رہتی ہی کب ہو؟ ہم تو ایک ہی چھت کے نیچے ہیں اور گریجویشن کرنے تک رہیں گے۔"

"تم نے جذبات کی یونیورسٹی میں گریجویشن کرا دیا ہے ...... بڑے وہ ہو۔"

"تالیاں دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں...... تم بھی بڑی وہ ہو۔"

"جی نہیں...... تم نے بھڑکایا تھا۔"

"ہاسٹل سے اپارٹمنٹ کی طرف تم نے لڑھکایا تھا۔"

"میں تو چاہتی تھی کہ ہاسٹل میں نہ رہو۔ یہاں میرے ہاتھ کا پکایا ہوا کھایا کرو۔"

"یہ بھی نہیں سوچا کہ خود پکا ہوا پھل ہو۔ فرشتے بھی اکیلے میں نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ "میں کیا جانوں؟ ایسا ہو جاتا ہے۔"

"آگ یہی کہتی ہے۔ ہائے اللہ! مجھے کیا معلوم تھا' جل جاؤ گے؟"

"جانتے تھے تو کیوں جلنے آگئے؟" پھر وہ اس کے سینے پر ہولے ہولے ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "پلیز۔ مان بھی جاؤ۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ تم نے کیا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اچھا مان گیا۔ آخر میں مرد ہی بدمعاش کہلاتا ہے۔ چلو...... یہ بتاؤ بدمعاشی کیسی رہی؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شرما کر اس کے بازوؤں میں منہ چھپا لیا۔

☆☆☆

شجاعت ہوائی محل تعمیر کرنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ جب دولت کہیں سے آنے والی نہیں تھی' تب بھی پریشان رہتا تھا۔ اب آنے والی تھی تو پہلے سے زیادہ پریشان ہوکر سوچ رہا تھا کہ اربوں روپے کیسے خرچ کرے گا؟ کہاں کہاں خرچ کرے گا؟

دماغ میں یہی بات آتی تھی کہ اپنے باپ کے مقابلے میں چین آف ہوٹل قائم کرے گا۔ سمندر پار امریکا اور یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں سیون اسٹار ہوٹلوں کا مالک کہلائے گا۔ اپنے غریب لکھ پتی باپ کی دولت اور جائیداد کا محتاج بن کر نہیں رہے گا۔

اس کی بیگم بانو نے کہا۔ "آپ نے دواؤں کی دکان کھولی ہے مگر اسے سیلز مین کے بھروسے پر چھوڑ دیا ہے۔ دن رات بیٹھے خلا میں تکتے رہتے ہیں۔ کیا بیٹے کو یاد کرتے رہتے ہیں؟"

وہ بیگم کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "تم نے مجھے بہت ہی ہونہار اور قابل بیٹا دیا ہے۔ ہم بہت جلد ارب پتی بننے والے ہیں۔"

"مگر کب بنیں گے؟ دو مہینے گزر چکے ہیں۔ اس سے فون پر باتیں کرتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں پھر خیالی پلاؤ پکانے لگتے ہیں۔"

"خیالی پلاؤ نہ کہو۔ بیٹا ٹکسال میں پہنچا ہوا ہے۔ نوٹ چھاپنے کی مشین کو آپریٹ کر رہا ہے۔ جلد ہی ہرے اور لال نوٹ ہماری جھولی میں آنے والے ہیں۔"

"وہ ہونے والی بہو کے بنگلے میں رہتا ہے۔ کہیں نوٹوں کی جگہ بچے جھولے میں نہ آجائیں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہارے منہ میں گھی شکر...ایک بھی بچہ ہوگیا تو سمجھو بہو پکی ہوگئی۔ وہ ارب پتی اپنی بیٹی کو ہمارے بیٹے کی دلہن بنانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"توبہ توبہ...شادی سے پہلے ہماری پوتی یا پوتا ہوگا۔ کتنے شرم کی بات ہے۔"

"جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔ جس نے کی بے حیائی۔ اس نے کھائی دودھ ملائی...اسے دودھ جمانے دو۔ ملائی ہم کھائیں گے۔"

بیگم بانو چند لمحوں تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "ایسا ہوگیا تو ہمیں بات کھلنے سے پہلے اریبہ کو بہو بنا لینا چاہیے۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ شادی کے بعد اولاد ہوئی ہے۔"

"ہمیں پہلے سے معلوم ہو جائے گا۔ فرہاد سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔"

"کب تک فون پر باتیں کرتے رہیں گے؟ ایک بار وہاں جاکر اس سے ملیں تو سہی۔"

"تم سے کہا تو ہے' اریبہ نہیں چاہتی کہ ہمارے بیٹے سے اس کا تعلق ظاہر ہو۔"

"آپ اریبہ کی موجودگی میں نہ سہی۔ کالج میں جاکر بیٹے سے تو مل سکتے ہیں۔ فون پر اتنی باتیں نہیں ہوتیں جتنی روبرو ہو جاتی ہیں۔ آپ جائیں...... نہیں جائیں گے تو میں اس سے جاکر ملوں گی۔"

"خبردار! رنگ میں بھنگ نہ ڈالنا۔ کھیل نہ بگاڑنا۔ میں کل ہی اس سے ملنے جاؤں گا۔"

وہ دوسرے دن کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچا۔ اس روز کالج کی چھٹی تھی۔ فرہاد سے ملاقات نہیں ہوسکتی تھی اور وہ بیٹے سے اچانک مل کر اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ وہ ایک ہوٹل میں آگیا۔ فرہاد نے فون پر مخاطب کیا تو اس نے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ مگر اسلام آباد پہنچنے والی بات نہیں بتائی۔ صرف اتنا کہا کہ بیٹے! تم مجھے خوش کر رہے ہو۔ میں بھی تمہیں خوش کروں گا۔ کل ایک زبردست سرپرائز دوں گا۔"

اتنا کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر سوچنے لگا۔ "میں نے دو برس پہلے اریبہ کو دیکھا تھا۔ اب سلمان ارشد سے ملاقات کرنے کے بعد ہی اسے دیکھ سکتا ہوں۔ آخر وہ میری ہونے والی بہو ہے۔"

اس نے فون پر سلمان ارشد کو مخاطب کیا۔ "ہیلو سلمان صاحب! میں ہوں آپ کا تابعدار شجاعت موسوی......"

سلمان نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔ "تم اپنا نام نہ بتاتے' تب بھی تمہیں آواز اور لہجے سے پہچان لیتا۔ کہاں ہو؟ آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"آج ہی اسلام آباد پہنچا ہوں۔ سوچا آپ کے نیاز حاصل کرلوں۔"

"ارے بھائی!! اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ مہمانوں کے لیے میری انیکسی کھلی رہتی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ایک گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔ اپنی بھتیجی اریبہ کو دیکھنے کے لیے دل مچل رہا ہے۔ کیسی ہے وہ؟"

دوسری طرف سے سرد آہ سنائی دی۔ "کیا بتاؤں؟ میں نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ وہ بہت بے لگام ہوتی جارہی ہے۔"

"ایسا نہ کہیں۔ ابھی بچی ہے پھر ایک ہی بیٹی ہے۔ جتنا بھی سر چڑھے کم ہے۔ لاڈلی کے نخرے برداشت کیا کریں۔"

"تم نہیں جانتے' وہ کیسی پرابلم بن گئی ہے؟"

وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بیٹی کس طرح باپ کے لیے پرابلم بن گئی ہے؟ مسکراتے ہوئے بولا۔ "فکر نہ کریں۔ میں آپ کا مسئلہ حل کر دوں گا۔ ابھی آرہا ہوں۔"

وہ اپنا سامان سمیٹ کر ہوٹل سے باہر آگیا۔ اب اسے ہونے والی بہو کے گھر میں رہنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ وہاں رہ کر بیٹے کے لیے اپنے طور پر راستہ ہموار کرسکتا تھا۔ جب سلمان ارشد کی شاندار کوٹھی میں پہنچا تو وہ ڈرائنگ روم میں پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

سلمان نے مصافحہ کر کے اسے ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر اعلیٰ افسر سے کہا۔ "وہ پرسوں یہ کہہ کر گئی تھی کہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دبئی جارہی ہے۔ شاپنگ کر کے دوسرے دن واپس آجائے گی مگر ابھی تک لاپتا ہے۔"

افسر نے پوچھا۔ "کیا اس کا فون مسلسل بند ہے؟"

"ہاں۔ آپ تو جانتے ہیں' وہ کیسی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی رہتی ہے۔ کبھی فون بند کر دیتی ہے۔ کبھی بتائے بغیر شاپنگ کے لیے دبئی' پیرس اور لندن چلی جاتی ہے۔"

افسر نے پوچھا۔ "پھر پریشانی کیا ہے؟"

"یہ کہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ اس نے اتنی دیر تک پہلے کبھی پریشان نہیں کیا۔ مجھے اندیشہ ہے اسے اغوا کیا گیا ہے۔"

شجاعت اس کی باتیں سن کر زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اریبہ اس کے بیٹے کے ساتھ گل چھرے اڑا رہی ہے۔ مگر یہ بات ابھی ان کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ بیٹے سے رازداری کا وعدہ کرچکا تھا۔ پہلے بیٹے اور بہو کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

سلمان وہاں سے اٹھ کر اعلیٰ افسر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ شجاعت نے فوراً ہی فون پر فرہاد سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف بیل جارہی تھی مگر وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑانے لگا۔ "گدھے کے بچے! کہاں ہے تُو؟ یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہو رہا ہے۔"

فون اچانک ہی بند ہوگیا۔ بلکہ ادھر سے بند کر دیا گیا۔ پتا نہیں' وہ ہونے والی بہو کے ساتھ کیسا وقت گزار رہا تھا؟ فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا اور یہاں حالات ایسے تھے کہ ایک اعلیٰ پولیس افسر پہنچا ہوا تھا۔ آگے چل کر بات بگڑ سکتی تھی۔

اس نے پھر فون پر بیٹے کے نمبر پنچ کیے۔ اس بار رابطہ ہوگیا۔ اس نے پریشان ہوکر کہا۔ "کتنی دیر سے فون کر رہا

ہوں۔ تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا؟"

"اوہ ڈیڈ! میں ٹوائلٹ میں تھا۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم ٹوائلٹ میں بیٹھ کر بات کر سکتے تھے۔"

"ڈیڈ! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اپنے بزرگوں کو بتائی نہیں جاسکتیں۔ بہر حال اب تو بات کر رہا ہوں۔"

اس نے پوچھا۔ "اریبہ کہاں ہے؟"

فرہاد ذرا سی دیر کے لیے بھول گیا تھا۔ بے خیالی میں بولا۔ "کون اریبہ؟"

"ابے گدھے! جس کے ساتھ تو گل چھرے اڑا رہا ہے۔ کیا وہ ابھی تیرے ساتھ ہے؟"

"ہاں۔ اچھا اریبہ... ہاں۔ یہ میرے ساتھ ہے۔ ابھی واش روم میں گئی ہے۔"

"اس سے بولو... فوراً اپنے ڈیڈی سے فون پر بات کرے اور کہے کہ وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔ اس کا باپ اسے تلاش کر رہا ہے۔ بہت پریشان ہے۔ بلکہ اتنا پریشان ہے کہ اسے تلاش کرنے کے لیے پولیس کے اعلیٰ افسر سے بھی باتیں کر رہا ہے۔"

فرہاد نے گھبرا کو شمع کی طرف دیکھا پھر فون پر پوچھا۔ "آ... آپ کہاں ہیں؟ یہ کیسے جانتے ہیں کہ اریبہ کی کوٹھی میں پولیس والے آئے ہیں؟"

فرہاد کی باتیں سن کر شمع بھی پریشان ہو گئی۔ اس کے قریب آ کر فون سے کان لگا کر سننے لگی۔ ادھر سے وہ کہہ رہا تھا۔ "میں یہاں سلمان ارشد کی کوٹھی میں ہوں۔ اریبہ پرسوں باپ سے یہ کہہ کر گئی تھی کہ شاپنگ کے لیے دبئی جا رہی ہے۔ یہ تو میں سمجھ گیا کہ پچھلے دو ماہ سے اسی طرح باتیں بنا کر تمہارے ساتھ رہتی ہے لیکن اسے اپنے باپ سے فون پر رابطہ تو رکھنا چاہیے۔ یہ بیچارہ سمجھ رہا ہے کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

فرہاد نے شمع کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔"

پھر اس نے باپ سے کہا۔ "دیکھیں ڈیڈ! آپ پریشان نہ ہوں۔ ان کے سامنے یہ نہ اگلیں کہ اریبہ میرے ساتھ ہے۔ وہ بدنامی سے بچنے کے لیے الٹا سیدھا بیان دے گی۔ میری حمایت میں نہیں بولے گی تو میں مجرم کہلاؤں گا۔ آپ ابھی فون بند کریں۔ وہ واش روم سے باہر آئے گی تو میں اس سے بات کرنے کے بعد آپ کو کال کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اریبہ کو سمجھاؤ کہ واپس آ کر باپ کی تسلی کرے پھر بعد میں تم سے ملنے جاتی آتی رہے۔ کوئی بات نہیں۔ تم الزامات سے بچو گے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ ذرا جلدی کال کرنا۔"

اس نے فون بند کر دیا۔ فرہاد نے اپنے فون کو آف کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تو بڑے مزے سے تھے۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسی گڑبڑ ہو جائے گی۔ وہ پرسوں سے غائب ہے۔ معاملہ پولیس والوں تک پہنچ رہا ہے۔ ایسے میں نہ جانے ڈیڈ وہاں اچانک کیوں پہنچ گئے ہیں؟ انہیں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"انہیں اب پتی بننے کی ضرورت ادھر لے گئی ہے۔ وہ سلمان ارشد سے ملنے کے بہانے رازداری سے معلوم کرنے گئے ہوں گے کہ بیٹا کامیابی کے مدارج سے گزر رہا ہے یا نہیں...؟"

"اب کیا ہوگا؟ وہ تمہیں اریبہ سمجھ کر سلمان ارشد سے ہمدردی کر سکتے ہیں۔ اسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اریبہ محفوظ ہے اور میرے پاس ہے۔"

"اپنے ڈیڈی کو کسی طرح اس کوٹھی سے نکالو۔ انہیں یہاں سے کراچی روانہ کرو۔"

"میں باپ ہوتا تو انہیں ابھی یہاں سے جانے کا حکم دیتا۔ افسوس کہ وہ میرے باپ ہیں۔"

"تو پھر کوئی نئی کہانی بناؤ کہ اریبہ تمہارے پاس ہے مگر ابھی باپ کے پاس آ کر نہیں مل سکتی۔ بہت مجبور ہے۔ کوئی مسئلہ آن پڑا ہے۔"

"ایسا کیا مسئلہ ہو سکتا ہے جو بیٹی کو باپ کے پاس جانے سے روک لے؟"

"تم سوچو۔ میں بھی سوچ رہی ہوں۔ ایسی کوئی بات ہو کہ اریبہ کسی جگہ خیریت سے ہے اور اسے گھر آنے کے لیے کوئی سواری نہیں مل رہی ہے۔"

"ہماری دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو اریبہ وہاں پھنسنے کے لیے کیوں جائے گی؟ تدبیر ایسی معقول اور ٹھوس ہونی چاہیے کہ اس کا باپ قائل ہو جائے۔"

"اس کے باپ کو نہیں تمہارے باپ کو قائل کرنا ہے۔ ان کی زبان بند کرنی ہے۔ انہیں وہاں سے کسی طرح نکالو۔ ورنہ ہم ایک دوسرے کی زندگی سے نکل جائیں گے۔"

"میں تو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ ایک تو ہم ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائیں گے پھر یہ کہ اریبہ میرے پاس سے برآمد نہ ہوئی تو یہی سمجھا جائے گا کہ میں نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔ کہیں غائب کر دیا ہے یا خدانخواستہ ہلاک کر دیا

ہے۔ مجھ پر طرح طرح کے الزامات آئیں گے۔ نہ جانے قانونی طور پر کیسی کیسی سزائیں ملیں گی؟"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگے۔ اس نے کہا۔ "ڈیڈ میری کال کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ہم اتنی جلدی کوئی معقول تدبیر سوچ نہیں سکتے۔"

وہ فرہاد کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ "ہاں۔ ایک ترکیب ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "جلدی بولو۔"

"اپنے ڈیڈی سے کہو کہ تم دن رات اریبہ سے ملتے رہتے ہو۔ یہ ملن رُت اب مہنگی پڑ رہی ہے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ رہے ہو؟ ان سے کہو کہ اریبہ کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں۔ تم باپ بننے والے ہو۔"

"ارے باپ رے۔ تم خواہ مخواہ مجھے باپ بنا رہی ہو۔ وہ ہونے والی بہو کو سنبھالنے کے لیے ممی کو یہاں بھیج دیں گے۔"

"ان سے کہہ سکتے ہو کہ اریبہ تمہاری ممی کو بھی منہ نہیں دکھائے گی۔ بہت شرمیلی ہے۔ بدنامی سے سہمی ہوئی ہے۔ خود ہی ایک لیڈی ڈاکٹر کی مٹھی گرم کر کے بچے کو ضائع کرائے گی پھر باپ کے گھر آئے گی۔"

فرہاد نے اسے توجہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ مشورہ سن کر ایسا لگ رہا ہے جیسے میں سچ مچ کچھ زیادہ ہی اوور ہو گیا ہوں اور تمہارے پاؤں...."

"یو شٹ اپ.... خدا نہ کرے کبھی ایسا ہو۔ فوراً انکل سے بات کرو۔ دیر ہو گی تو وہ اندھیر کر دیں گے۔"

اُدھر سلمان پولیس افسر کے ساتھ باہر جانے کے بعد ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ شجاعت ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا بیٹے کی کال کا منتظر تھا۔ ایک ملازم نے ناشتے اور چائے کی ٹرالی قریب لا کر رکھی تھی۔ بے چینی ایسی تھی کہ کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ایسے وقت فون کے بزر نے چونکا دیا۔ وہ اسے آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ بیٹے! تم نے اریبہ سے بات کی؟"

"جی ہاں۔ یہ کہہ رہی ہے ابھی اس کے ڈیڈی کو ہمارے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔"

"بیٹے! اسے احساس دلاؤ کہ بیچارہ باپ اس کے لیے پریشان ہے۔ معاملہ پولیس تک پہنچ گیا ہے۔ تم پر کوئی مصیبت آسکتی ہے۔"

"جیسی بھی مصیبت آئے۔ ہم جھیل لیں گے مگر اریبہ اتنی مجبور ہے کہ ابھی کسی سے سامنا نہیں کر سکے گی۔"

"ایسی کیا مجبوری ہے؟"

"میں کیسے بتاؤں؟ وہ لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔"

"ابھی تم نے کہا تھا واش روم میں ہے؟"

"آدھا گھنٹہ پہلے کہا تھا۔ ہماری دنیا میں آدھے گھنٹے کے اندر کروڑوں بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔"

"یہ ہماری باتوں کے درمیان بچے کہاں سے آ گئے؟"

"ہمارے درمیان بچے نہیں، ایک بچہ آ گیا ہے۔ میرا مطلب ہے میرے اور اریبہ کے درمیان..."

"دفع کرو بچے کو اور کام کی بات کرو۔"

"وہ دفع کرنے ہی لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔"

"کیا.....؟" اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا یہ کہہ رہے ہو کہ وہ ماں بننے والی ہے اور وہ بچہ تمہارا ہے؟"

"ہاں۔ میں یہی کہہ رہا ہوں۔"

وہ ایکدم سے خوش ہو کر بولا۔ "واہ بیٹے واہ! تم تو سکندر اعظم سے بھی آگے نکل گئے۔ اب تو اپنی اور اریبہ کی شادی پکی سمجھو۔ سلمان صاحب کو مجبوراً راضی ہونا پڑے گا۔"

وہ گھبرا کر بولا۔ "نو ڈیڈ! وہ اپنے باپ کو شرمندہ اور مجبور نہیں کرے گی۔ اسی لیے لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔"

وہ فضا میں انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ "خبردار! میرے ہونے والے پوتے یا پوتی کو نقصان نہ پہنچانا ورنہ ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟ نہ وہ میری بیوی ہے نہ آپ کی بہو ہے۔ ہم اسے حکم نہیں دے سکتے۔ مجبور نہیں کر سکتے۔"

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہاں مگر تم اسے سمجھاؤ۔ اس کے آگے ہاتھ جوڑو اس کے پاؤں پڑو۔ اس بچے کو ہر حال میں پیدا ہونا چاہیے۔ ایسا کرو مجھے ایڈریس بتاؤ۔ میں ابھی آ کر اسے سمجھاؤں گا۔ مناؤں گا۔ بیٹے کچھ کرو۔ وہ بچہ خزانے کی کنجی ہے۔"

"فار گاڈ سیک ڈیڈی! آپ نہیں جانتے وہ بڑے باپ کی بیٹی کتنی مغرور اور ضدی ہے؟ اسے کنواری ماں بنانے کی ضد کریں گے تو وہ مجھے اپنے بنگلے سے اور اپنی زندگی سے نکال دے گی۔"

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔ "کیسی مجبوری ہے؟ ہم اس کے خلاف نہ کچھ کر سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے مگر وہ تمہارے

سینے پر اولاد کا تمغا سجانے نہیں دے گی۔''
''آپ اولاد کو بھول جائیں۔ یہ اطمینان رکھیں کہ وہ شادی مجھ سے ہی کرے گی۔''
''ٹھیک ہے۔ مگر اتنا تو کرو کہ اسے ایک دو روز تک بچے کو ضائع نہ کرنے دو۔ شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔''
''آپ کہتے ہیں تو میں اسے سمجھاؤں گا۔ ابھی وہ لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کرنے گئی ہے۔ شاید ڈاکٹر بھی منع کر دے گی۔ میں بھی اسے کل پرسوں تک ایسا کرنے نہیں دوں گا مگر آپ میری ایک بات مانیں۔''
''ہاں بولو.... کیا بات ہے؟''
''آپ ابھی وہاں سے چلے جائیں۔ سلمان صاحب سے زیادہ باتیں نہ کریں۔''
''ارے واہ! کیسے چلا جاؤں؟ سلمان صاحب نے بڑی عزت سے بلایا ہے۔ مجھے اپنی انیکسی میں رہنے کو کہہ رہے ہیں۔ میں اپنا سامان بھی لے کر آیا ہوں۔''
''کیا...؟ نہیں ڈیڈ! آپ بڑی گڑبڑ کر رہے ہیں۔ آپ وہاں ہرگز نہیں رہیں گے۔''
''کیا تم میرے باپ ہو کہ تمہارا حکم سنتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا؟''
''آپ کے وہاں رہنے سے اریبہ ناراض ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر مجھ سے جھگڑا کرے گی کہ اس کا رشتہ مانگنے کے لیے میں نے آپ کو وہاں بھیجا ہے۔ پھر وہ مجھے چھوڑ کر دوسرا آئیڈیل ڈھونڈ لے گی۔''
وہ قائل ہو کر بولا۔ ''میں ایسا نہیں چاہوں گا۔ ٹھیک ہے، سلمان صاحب سے باتیں کرنے کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔''
اس نے سر اٹھا کر ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ''سلمان صاحب آ رہے ہیں۔ میں فون بند کرتا ہوں۔''
سلیمان ارشد ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولا۔ ''تھینکس گاڈ! اسے کسی نے اغوا نہیں کیا ہے۔''
اس نے صوفے پر سیدھی طرح بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''اریبہ خیریت سے تو ہے ناں؟''
سلمان نے بڑی فکرمندی سے کہا۔ ''پتا نہیں اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ کہہ رہی تھی، کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہے۔''
شجاعت نے دل ہی دل میں کہا۔ ''مجھے سب پتا ہے، وہ کیوں گئی ہے؟ مگر حمل برقرار رہنا چاہیے۔ یہ بات میں سلمان سے کس طرح کہوں؟''
وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ سلمان نے کہا۔ ''یہ لڑکی مجھے تگنی کا ناچ نچاتی رہتی ہے۔ پتا نہیں ابھی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ ہے یا بوائے فرینڈ کے ساتھ؟ نہ میری پسند کے کسی لڑکے سے شادی کرتی ہے نہ خود کوئی لڑکا پسند کرتی ہے۔''
وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''جسے وہ پسند کرے گی کیا اسے آپ داماد بنا لیں گے؟''
''ضرور بناؤں گا۔ ویسے امید ہے، وہ تمہارے ہی خاندان کے ایک لڑکے کو پسند کر سکتی ہے۔''
شجاعت نے خوش ہو کر پوچھا۔ ''کس لڑکے کو...؟''
''وہ تمہارے بھائی شعبان کا بیٹا ذیشان ہے۔ اس کی تصویر اریبہ نے دیکھی ہے۔ کہہ رہی تھی، بہت ہینڈسم ہے۔''
شجاعت ناگواری سے منہ بنا کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں نے ذیشان کو بلایا ہے۔ کل وہ اپنے باپ کے ساتھ آئے گا۔''
یہ بات شجاعت کے لیے ناقابلِ برداشت تھی کہ اس کے بیٹے کے مقابل بھائی کا بیٹا اکھاڑے میں اترنے والا ہے۔ اس نے کہا۔ ''آپ نے میرے بیٹے کو نہیں دیکھا ہے۔ وہ اتنا ہینڈسم ہے کہ ذیشان اس کے سامنے بجھ کر رہ جاتا ہے۔''
''میں نے تمہارے بھائی کو زبان دی ہے۔ اگر اریبہ ذیشان کو پسند کرے گی تو اس کے ساتھ منگنی کر دی جائے گی۔''
شجاعت نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ جانتے ہیں، اس وقت اریبہ کہاں اور کس کے ساتھ ہے؟''
''ابھی فون پر اس نے مختصر سی بات کی تھی۔ میں پوچھتا ہی رہ گیا کہ وہ کہاں ہے؟ مگر اس نے فون بند کر دیا۔''
شجاعت ہنسنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیوں ہنس رہے ہو؟''
وہ بولا۔ ''آپ خوامخواہ پولیس والوں تک پہنچ گئے۔ نہ کسی نے اغوا کیا ہے نہ ہی وہ ذیشان جیسے گدھے کو پسند کرے گی۔ وہ میرے بیٹے فرہاد کو دل و جان سے چاہنے لگی ہے۔''
وہ حیرانی سے بولا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو؟''
''جو ہو رہا ہے، وہی کہہ رہا ہوں۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ شاپنگ کے لیے دبئی نہیں گئی تھی۔ میرے بیٹے کے ساتھ یہیں مارگلہ میں ہے۔''

پہنچار ہے ہو۔لو...ان سے معافی مانگو۔توبہ کرو۔آئندہ ایسی شیطانی حرکت نہیں کروگے۔''

شجاعت نے فون لے کر کان سے لگایا پھر جھجکتے ہوئے کہا۔''با..با.....بابا جانی!مجھے...معاف کردیں۔''

موسیٰ بھائی نے حقارت سے کہا۔''تھو ہے تم پر...ایک معزز دوست کے سامنے میری گردن جھکا رہے ہو۔اریبہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔تم نے لاکھوں کروڑوں روپے تاوان کے طور پر حاصل کرنے کے لیے اسے اغوا کرایا ہے۔''

''میں خدا رسول کی قسم کھا کر کہتا ہوں' اسے اغوا نہیں کرایا ہے۔اریبہ آپ کے پوتے فرہاد سے محبت کرتی ہے۔اس کے ساتھ اپنے ایک بنگلے میں چھپی ہوئی تھی۔میں تو اسے بہو بنانا چاہتا ہوں۔''

''اس لیے کہ اس بچی کے پیچھے اربوں روپے کا کاروبار اور جائیداد ہے۔تم سب نے باپ کے کاروبار کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔میرے گاہکوں کو مردہ جانوروں کا گوشت کھلاتے رہے اور اب میرے دوست کی عزت کا جنازہ نکالنے وہاں پہنچے ہوئے ہو.....اچھا ہے' تم باپ بیٹے جیل جاؤ گے تو میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا۔''

''بابا جانی!آپ کو خدا کا واسطہ.....میری غلطیوں کو معاف کردیں۔آپ سلمان صاحب سے سفارش کریں گے تو یہ آپ کے پوتے کو اپنا داماد بنالیں گے۔''

''میرے پوتے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر ایک ارب پتی کا شکار کھیلنا چاہتے ہو۔تم نے مجھے ڈس لیا کافی ہے۔تمہیں سلمان ارشد کو ڈسنے کا موقع نہیں دوں گا۔''

وہ گڑگڑانے کے انداز میں بولا۔''غصہ کہیں نہیں تھوک سکتے تو میرے منہ پر تھوک دیں مگر یہ رشتہ کرادیں۔''

''میں فرہاد اور شمع کا رشتہ طے کرچکا ہوں۔اس سے آگے کچھ نہ بولو۔فون سلمان صاحب کو دو۔''

''بابا جانی!آخری بار مجھے معاف کرکے میری بات مان لیں۔''

''مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

''میں کہہ رہا ہوں....''

وہ بات کاٹ کر بولے۔''مجھے سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

''مجھے تو صاف آواز سنائی دے رہی ہے۔میں کہہ رہا ہوں کہ.....''

وہ ادھر سے چیخ کر بولے۔''مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔فون سلمان صاحب کو دو۔''

وہ جانتا تھا' باپ پتھر ہے۔اسے پگھلا نہیں سکے گا۔اس نے فون سلمان کو دے دیا۔وہ اسے کان سے لگا کر بولا۔''شاید تم نے بیٹے سے بات کرنے سے انکار کیا ہے۔''

''میں ایسی اولاد سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔آپ کو سمجھاتا ہوں۔فرہاد سے اریبہ کا رشتہ نہ کریں۔میں اس کا رشتہ اپنی پوتی شمع سے کرنا چاہتا ہوں۔''

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔فرہاد اور شمع نظر آئے۔سلمان نے فون پر کہا۔''آپ کا پوتا فرہاد کسی لڑکی کے ساتھ آیا ہے۔جبکہ میری بیٹی کے ساتھ آنا چاہیے تھا۔آپ دادا ہیں۔خود ہی اپنے پوتے کا محاسبہ کریں۔''

وہ فرہاد کے قریب آکر بولا۔''میری بیٹی کہاں ہے؟''

فرہاد نے کہا۔''ڈیڈی نے آپ سے غلط کہا ہے۔میرے ساتھ اریبہ نہیں....یہ شمع رہتی ہے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔یہ فون لو اور اپنے دادا سے بھی جھوٹ بولو۔''

اس نے فون لے کر کہا۔''دادا جانی!کیا آپ میری باتیں سن رہے ہیں؟''

''ہاں۔کچھ کہنے سے پہلے اریبہ کو سلمان صاحب کے حوالے کردو۔''

''آپ جانتے ہیں' میں آپ کے سامنے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔میں دو مہینوں سے شمع کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہوں۔ڈیڈی اریبہ کو بہو بنانا چاہتے تھے۔اس لیے میں نے ان سے جھوٹ بولا کہ اریبہ کے ساتھ رہتا ہوں۔یہ تب سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ سلمان انکل کی بیٹی میرے ساتھ ہے۔''

فرہاد پچھلے دو ماہ کی رُوداد تفصیل سے سنانے لگا۔شجاعت غصے سے گھور کر شمع کو اپنے بیٹے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔موسیٰ بھائی نے پوتے کی تمام باتیں سن کر کہا۔''میں مانتا ہوں' تم سچ بول رہے ہو مگر تم اور شمع کزن ہونے کے باوجود نامحرم ہو۔وہ تمہاری ہونے والی دلہن ہے۔تم دونوں دینی احکامات کے خلاف ایک ساتھ رہ کر گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔آج ہی سامان باندھو اور شمع کے ساتھ واپس آجاؤ۔فون سلمان صاحب کو دو۔''

سلمان نے فون لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔''موسیٰ بھائی!اگر آپ کے پوتے کا بیان درست ہے تو پھر میری اریبہ کہاں ہے؟کیا آپ کو یقین ہے' یہ سچ کہہ رہا ہے؟''

''میں اپنے پوتے کو بچپن سے جانتا ہوں۔یہ کم از کم مجھ

سے جھوٹ نہیں بولتا۔میں نے ابھی آپ کے سامنے اپنے بیٹے کو جھوٹا اور بے ایمان کہا ہے کیونکہ یہ ایسا ہے مگر فرہاد ایسا نہیں ہے۔یہ سچ بول رہا ہے۔آپ معلوم کریں کہ اریبہ کہاں گم ہوگئی ہے؟''

سلمان نے مایوس ہوکر فرہاد اور شمع کو دیکھا۔موسیٰ بھائی جیسا سچا اور ایماندار شخص یقین دلا رہا تھا کہ اس کی ایب نارمل بیٹی کا تعلق فرہاد سے نہیں ہے۔وہ کہیں گم ہوگئی ہے۔نجانے کہاں بھٹک رہی ہے؟

اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔تقریباً ایک گھنٹے پہلے جب وہ پولیس افسر سے باتیں کررہا تھا۔تب اریبہ نے فون پر اسے مخاطب کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک لیڈی ڈاکٹر کے پاس جارہی ہے۔تھوڑی دیر بعد رابطہ کرے گی۔

اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں جارہی ہے؟

اس نے فون بند کردیا تھا۔باپ ہیلو ہیلو کہتا رہ گیا تھا۔اسے غصہ کرنا چاہیے تھا مگر وہ بیٹی پر جھنجلاتا نہیں تھا۔کیونکہ وہ جان بوجھ کر الٹی سیدھی حرکتیں نہیں کرتی تھی۔ذہنی مریضہ تھی۔کبھی نارمل رہتی تھی۔کبھی ذہنی رو بہک جاتی تھی۔

وہ بے انتہا دولتمند تھا۔دنیا کے مہنگے اور تجربہ کار ماہرین نفسیات سے اس کا علاج کراچکا تھا۔سب نے کہا تھا کہ اس کی دماغی کمزوری تشویش ناک نہیں ہے۔وہ عمر کے ساتھ ساتھ دماغی توانائی حاصل کرتی رہے گی پھر ہمیشہ نارمل رہا کرے گی۔

سلمان نے اپنے فون کی اسکرین پر بیٹی کا نمبر دیکھا پھر ایک بٹن دبا کر اسے کان سے لگالیا۔دوسری طرف بیل جارہی تھی۔جلد ہی اس کی تشویش دور ہوگئی۔اریبہ کی آواز سنائی دی۔''ہیلو پاپا!آپ میرے لیے پریشان ہورہے ہیں ناں....؟''

وہ بولا۔''پاپا کی جان!تم پریشان کرتی رہتی ہو۔کیا میں آرام وسکون سے رہ سکتا ہوں؟فوراً بتاؤ' تم کہاں ہو؟اپنے پاپا کے پاس آجاؤ میری جان!تمہاری یہ دربدری مجھ سے برداشت نہیں ہورہی ہے۔میں اندر سے ٹوٹ رہا ہوں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔''بھلا اندر سے کیسے ٹوٹ رہے ہیں؟آپ کوئی کھلونا تو نہیں ہیں کہ ٹوٹ جائیں گے؟''

''میری بچی!آنے کی بات کردیا اپنا پتا بتاؤ۔میں آجاؤں گا۔''

''میں ایک بہت بڑی خوشخبری کے ساتھ آرہی ہوں۔آپ چاہتے ہیں ناں کہ میں کسی کو پسند کرلوں اور شادی کرلوں تو سن لیں.....میں جسے پسند کرچکی ہوں' ابھی اسی کے ساتھ آرہی ہوں۔دیٹس آل.....''

اس نے فون بند کردیا۔سلمان نے فرہاد اور شجاعت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''تم باپ بیٹے نے جو غلط فہمی پیدا کی تھی۔وہ دور ہوچکی ہے۔خدا کا شکر ہے' اریبہ خیریت سے ہے۔پلیز۔اب یہاں سے جاؤ۔میری بیٹی نے کسی کو پسند کیا ہے۔ابھی اس کے ساتھ آرہی ہے۔''

فرہاد نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔''ہمیں یہ سن کر خوشی ہورہی ہے کہ اریبہ خیر خیریت سے واپس آرہی ہے۔آپ کو ہونے والا داماد مبارک ہو۔''

وہ شمع کے ساتھ جانے لگا۔شجاعت نے بھی سلمان سے مصافحہ کیا پھر باہر آکر بیٹے سے بولا۔''لعنت ہے تم پر....تم نے اس لڑکی کے چکر میں مجھے اربوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔پورے دو ماہ سے اس کے ساتھ رہتے رہے اور مجھ سے جھوٹ بولتے رہے۔اپنے باپ کو دھوکا دیتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آرہی ہے؟''

''شرم کیسی ڈیڈ!آپ نے بھی دادا جانی کو دھوکا دیا تھا۔میں نے بھی یہی کیا ہے۔''

وہ باتیں کرتے ہوئے کوٹھی کے احاطے سے باہر آگئے۔اس نے متنبہ کرنے کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔''یاد رکھو!میں تمہاری اس لیلیٰ کو کبھی اپنی بہو نہیں بناؤں گا۔میں ہاری ہوئی بازی جیتنا جانتا ہوں۔''

فرہاد نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو روکتے ہوئے کہا۔''آپ یہ چیلنج دادا جانی سے کریں۔انہوں نے مجھے اور شمع کو واپس بلایا ہے۔ہم جارہے ہیں۔''

وہ شمع کے ساتھ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''آپ ہمارے ساتھ آرہے ہیں؟''

اس نے غصے سے دوسری طرف منہ پھیرلیا۔ٹیکسی آگے بڑھ گئی پھر تیز رفتاری سے دور ہوتی چلی گئی۔شجاعت نے اس طرف تھوکتے ہوئے کہا۔''تھو ہے ایسی اولاد پر.....اپنے باپ کو راستے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ہمارے وقت کی محبت اور سعادت مندی اب نہیں رہی۔ایک ہم ہیں کہ بابا جانی نے ہمیں نظروں سے گرادیا پھر بھی ان کے قدموں میں رہتے ہیں۔انہیں چھوڑتے نہیں ہیں مگر یہ کم بخت باپ کو چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔''

وہ جھنجلا رہا تھا۔بڑبڑا رہا تھا۔ایسے وقت ایک مہنگی کار

اس کے سامنے سے گزرتی ہوئی کوٹھی کے بڑے گیٹ سے احاطے کے اندر جانے لگی۔ شجاعت ایکدم سے چونک گیا۔ اس کا بھائی شعبان کار کی پچھلی سیٹ پر اریبہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور شعبان کا بیٹا ذیشان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ بری طرح بے چین اور مضطرب ہوگیا۔ یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شعبان اپنے بیٹے کو کیش کرانے سلمان ارشد کے پاس جا رہا ہے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا بڑے گیٹ سے گزرتا ہوا احاطے میں آیا۔ کار کے پیچھے پیچھے پورچ میں پہنچا۔ اریبہ شعبان کے ساتھ کار سے باہر آرہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔ ''ہائے بیٹی اریبہ! تم کہاں تھیں؟ ہم دن رات بھوکے رہ کر تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

شعبان نے بڑے بھائی کو اچانک وہاں دیکھ کر ناگواری سے کہا۔ ''آپ ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑانے آئے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ اپنے طور پر چانس لے رہے ہیں۔ مجھے بھی چانس لینے دیں۔ پلیز یہاں سے جائیں۔''

شجاعت نے کہا۔ ''تم خوامخواہ مجھ سے بدظن ہو رہے ہو۔ بابا جانی نے سلمان صاحب سے کہہ دیا ہے کہ فرہاد کی شادی شمع سے ہوگی۔ میں ارب پتی بننے کے اس ٹورنامنٹ سے خارج ہو چکا ہوں۔ اب تمہارے ذیشان کی حمایت میں کروں گا۔''

اریبہ نے شعبان کا بازو تھام کر شجاعت سے کہا۔ ''انکل! ہمارے ساتھ اندر آئیں۔ آپ میرے پاپا سے ذیشان کی حمایت میں نہیں' مسٹر شعبان کی حمایت میں بولیں گے۔''

شعبان نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''باپ بیٹے میں سے کسی کی بھی حمایت کی جائے۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

وہ سب کوٹھی کے اندر جانے لگے۔ اریبہ نے شجاعت کو انکل اور شعبان کو مسٹر کہا تھا۔ یہ بات شجاعت کو بری لگ رہی تھی مگر یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ لڑکی ایب نارمل ہے۔ ایک بھائی کو بوڑھا اور دوسرے کو جوان سمجھ رہی ہے۔

وہ سب اندر آگئے۔ سلمان نے بیٹی کو بازوؤں میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے' تم خیر خیریت سے واپس آگئیں۔ یہ شعبان اور ذیشان تمہیں کہاں مل گئے؟''

وہ باپ سے الگ ہو کر بولی۔ ''میں نے فون پر کہا تھا' اپنی پسند' اپنے آئیڈیل کے ساتھ آرہی ہوں۔ یہ میرے آئیڈیل ہیں۔''

پھر وہ تینوں سے بولی۔ ''کھڑے کیوں ہیں؟ آرام سے بیٹھیں۔''

وہ تینوں ادھر ادھر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ اریبہ شعبان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں لیڈی ڈاکٹر قدسیہ سے ملنے گئی تھی۔ وہیں اسپتال میں ان دونوں سے ملاقات ہوگئی۔''

''تم تو اکثر نام اور چہرے بھول جاتی ہو پھر انہیں کیسے پہچان لیا؟''

ذیشان نے کہا۔ ''پہلے ہم ہی نے اسے مخاطب کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ تب یاد آیا کہ اس نے ہماری تصویریں دیکھی ہیں۔''

''بیٹی! تم پچھلے تین دنوں تک کہاں رہیں؟ کچھ یاد ہے...؟''

وہ بولی۔ ''مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے۔ شاید ڈاکٹر قدسیہ کو معلوم ہوگا۔ آپ یہ باتیں چھوڑیں۔ رشتے کی بات کریں۔''

شجاعت نے کہا۔ ''سلمان صاحب! آپ نے اریبہ کے لیے باڈی گارڈز رکھے ہیں مگر دن رات ساتھ رہنے والے شوہر سے اچھا باڈی گارڈ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ آپ ذیشان سے اریبہ کا رشتہ طے کر دیں۔''

وہ شجاعت کو گھور کر بولی۔ ''آپ سوچے سمجھے بغیر کیوں بول رہے ہیں؟ شادی میری ہوگی اور میری پسند سے ہوگی۔''

سلمان نے کہا۔ ''بیٹی! ہم تمہاری پسند کے مطابق ہی ذیشان سے تمہاری.....''

وہ بات کاٹ کر بولی۔ ''ذیشان میرا آئیڈیل نہیں ہے۔''

''تو پھر کون ہے؟''

سب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے شعبان کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کے بازو کو گرفت میں لیتے ہوئے بڑے فخر سے کہا۔ ''یہ ہیں میرے آئیڈیل..... میں انہیں لائف پارٹنر بناؤں گی۔''

شعبان ایکدم سے بوکھلا گیا۔ سب ہی نے اسے حیرت سے دیکھا۔ باپ نے کہا۔ ''میری جان! ڈاکٹر نے تمہیں سمجھایا ہے' جب کوئی غلط بات کہو یا غلط کام کرو تو خود ہی اسے سمجھنے کی کوشش کرو اور خود ہی اپنی غلطیاں درست کرو۔''

''ابھی تو میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔''

شجاعت نے کہا۔ ''یہ شعبان انکل میری طرح تمہارے بزرگ ہیں۔ تم انہیں جوان سمجھنے کی غلطی کر رہی ہو۔''

وہ بولی۔ ''آپ بزرگ ہیں' بوڑھے ہیں لیکن مسٹر شعبان تو بہت ہی ہینڈسم جوان ہیں۔''

پھر وہ باپ سے بولی۔ ''پاپا! آپ نے ان کی تصویر دکھائی تھی۔ اسی وقت میں نے کہا تھا کہ یہ لڑکا مجھے پسند ہے۔''

''تم نے ذیشان کی تصویر دیکھی تھی بیٹا!''

اریبہ نے کہا۔ ''آپ خود ایب نارمل ہیں اور مجھے ایب نارمل کہتے ہیں۔ اس تصویر میں یہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے شعبان کو دیکھ کر پسند کیا تھا۔ اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے ذیشان کو پسند کیا ہے تو یہ آپ کی غلطی ہے۔ میں کیا کرسکتی ہوں؟ شادی تو میں کروں گی لیکن اپنی پسند سے...''

وہ شعبان سے کچھ زیادہ ہی چپکتے ہوئے بولی ''یہی میرے پہلے اور آخری آئیڈیل ہیں۔''

شجاعت نے ذیشان کی طرف جھک کر سرگوشی میں کہا۔ ''تمہارے ڈیڈی خوش اور مطمئن لگ رہے ہیں۔ کوئی اعتراض نہیں کر رہے ہیں۔ تمہاری حق تلفی کرنے والے ہیں۔''

ذیشان پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اپنی انسلٹ محسوس کرتے ہوئے صوفے پر پہلو بدل رہا تھا۔ سلمان ارشد اچھی طرح جانتا تھا کہ بیٹی کے ذہن کو کس طرح پھیرا جاسکتا ہے؟ کس طرح اس کی سوچ بدلی جاسکتی ہے؟

اس نے کہا۔ ''بیٹی! تم اتنے دنوں بعد آئی ہو۔ پہلے جاکر شاور لو۔ اچھا سا لباس پہنو پھر یہاں آؤ۔''

''نو پاپا! میں ابھی یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''

وہ بڑی محبت اور نرمی سے بولا۔ ''میری جان! تم غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن کر آؤ گی۔ تب ہی رشتہ پکا کیا جائے گا۔ شعبان بھی غسل کرنے اور لباس بدلنے جا رہے ہیں۔''

وہ خوش ہو کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''پھر تو میں ابھی جاتی ہوں۔ آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی۔''

وہ وہاں سے چلی گئی۔ شجاعت نے بھائی سے کہا۔ ''شعبان! یہ بیچاری ذہنی مریضہ ہے۔ تم تو نہیں ہو۔ جواباً کچھ کہہ سکتے تھے۔ اسے سمجھا سکتے تھے۔''

شعبان نے کہا۔ ''میں کیا سمجھاتا؟ اریبہ نے اچانک ہی ایسی بات کہہ دی کہ شدید حیرانی سے کچھ بول نہیں پایا۔''

ذیشان نے کہا۔ ''ڈیڈ! میں اسپتال سے دیکھتا آرہا ہوں۔ یہاں آتے وقت آپ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور مجھے اگلی سیٹ پر ڈرائیور بنا دیا۔ یہاں بھی وہ آپ سے لگ کر بیٹھی رہی اور آپ خوش ہوتے رہے۔ جب اس نے ہینڈسم اور نوجوان کہا تو آپ سینہ تان کر مسکرانے لگے۔ میں آپ کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا ہوں اور خوب سمجھ رہا ہوں۔''

شعبان نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''کیا سمجھ رہے ہو؟ کیا میں جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہوں؟ وہ مجھے پسند کر رہی ہے۔ بار بار مجھ سے آکر لگ رہی تھی۔ کیا میں اس معصوم اور ایب نارمل لڑکی کو دھکا دے کر الگ کر دیتا؟''

پھر شعبان نے سلمان سے کہا۔ ''انکل! میں آپ کے دوست کا بیٹا ہوں۔ آپ کے بیٹے جیسا ہوں۔ آپ جیسے اریبہ کے باپ ہیں۔ ویسے ہی میرے بھی باپ ہیں۔ یہ تو قسمت کے کھیل ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے' رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں۔''

سلمان ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر دانت پیستے ہوئے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''نہ میں نے رشتے کی بات کی ہے' نہ آپ نے کی ہے۔ یہ تو اریبہ کی زبان سے آسمانی رشتہ بول رہا ہے۔''

ذیشان اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''بس کریں ڈیڈ! آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آرہی ہے؟ میرے لیے رشتہ مانگنے آئے تھے۔ اب گھما پھرا کر اپنے لیے رشتہ مانگ رہے ہیں۔ وہ آپ کی بیٹی کے برابر ہے۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''بکواس مت کرو۔ تم بدنصیب ہو۔ خوش قسمتی میری طرف آرہی ہے تو میں کیا کروں؟''

سلمان اس وقت فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''ہاں۔ تم دونوں اندر آؤ.....''

ایک منٹ کے اندر ہی دو مسلح گارڈز اندر آگئے۔ سلمان نے ذیشان اور شعبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''انہیں دھکے مار کر یہاں سے نکالو۔ یہ پھر کبھی کوٹھی کے آس پاس دکھائی دیں تو گولی مار دینا۔''

دھکے کھانے سے پہلے ہی ذیشان وہاں سے چلا گیا۔ شعبان نے کہا۔ ''یہ آپ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ مجھے دھکے مارے جائیں گے تو آپ کی بیٹی کو دماغی جھٹکے پہنچیں گے۔ اُس کی دوا..... اُس کا علاج میں ہوں۔''

سلمان نے کہا۔ ''وہ پہلے بھی دو بوڑھوں کو آئیڈیل بنا چکی ہے۔ میں باپ ہوں۔ بیٹی کا علاج جانتا ہوں۔ اسی لیے اسے تم سے دور کیا ہے۔ وہ ایک آدھ گھنٹے میں تمہیں بھول جائے گی۔ ناؤ گٹ لاسٹ.....''

ایک گارڈ نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔ دوسرے نے گریبان پکڑا پھر اسے کھینچتے ہوئے دھکے دیتے ہوئے باہر لے گئے۔ شجاعت نے کہا۔ ''آپ اریبہ کی شادی کسی ماہرِ نفسیات سے کریں۔ وہ اس پر دن رات توجہ دیتا

رہے گا۔ میرا ایک بھائی.....“

سلمان نے ہاتھ اٹھا کر آگے کہنے سے روک دیا پھر کہا۔ ”موسیٰ بھائی جتنے نیک اور ایماندار ہیں۔ اُتنے ہی تم سب بے ایمان ہو۔ یہاں سے جاؤ گے یا گارڈ کو بلاؤں؟“

وہ فوراً ہی پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا یوں باہر گیا' جیسے پیچھے سے جوتے پڑ رہے ہوں۔

☆☆☆

موسیٰ بھائی کئی طرح کے امراض میں مبتلا تھا۔ سب سے ناقابلِ علاج مرض ”بڑھاپا“ تھا۔ اس عمر میں ایک مرض سے شفا پاؤ تو دوسرا مرض پیچھے سے گھیر لیتا ہے پھر دوسرے کے بعد تیسرا آدھمکتا ہے۔ جس طرح جوانی میں شیطان کو اپنے اندر آنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح بڑھاپے میں بیماریاں کسی روک ٹوک کے بغیر دندناتی ہوئی چلی آتی ہیں۔

تینوں بیویاں اور جوان اولادیں اس کی مسلسل بیماریوں سے نالاں تھیں۔ پہلے وہ ایک ہفتہ ایک بیوی بچوں کے ساتھ گزارتا تھا پھر دوسرے ہفتے دوسری کے اور تیسرے ہفتے تیسری بیوی بچوں کے پاس چلا جاتا تھا۔ یہ دیکھتا تھا کہ وہ بیویاں اس کی کھانسیوں سے اور بلغم سے بھرے ہوئے اُگلدان سے منہ پھیرتی ہیں۔ جبکہ اُگلدان اور بستر وغیرہ کی صفائی ملازم کرتے تھے۔ اس کے باوجود لہو کے وہ تمام رشتے رسمی طور پر قریب آتے تھے پھر کتنے ہی بہانوں سے کتراتے رہتے تھے۔

اگر دولت' جائیداد' کاروبار کی طاقت اور تمام اختیارات اس کے نام نہ ہوتے تو اسے گھر کے کسی کونے میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر ڈال کر چھوڑ دیا جاتا پھر آخری سانس ...... تک کوئی پوچھنے نہ آتا۔ اس نے دوست احباب اور عزیز و اقارب کے گھروں میں اور دوسرے کئی خاندانوں میں رشتوں کو کمزور ہوتے اور خون کو سفید ہوتے دیکھا تھا۔ اس کی کامیابی یہ تھی کہ اس نے بڑھاپے میں کمزور ہونے کے باوجود تمام بیویوں اور اولادوں کو اپنا محتاج بنا کر رکھا تھا۔

اب وہ ایک چھوٹی سی شاندار کوٹھی میں تنہا رہتا تھا۔ خدمت کے لیے ملازم تھے۔ بیویاں اور بچے ملاقات سے پہلے فون کے ذریعے اجازت لیتے تھے۔ اجازت ملنے پر مقررہ وقت پر آتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ ملاقات کا وقت ختم ہونے کے بعد کسی کو وہاں رکنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔

شمع اور فرہاد اسلام آباد سے واپس آگئے تھے۔ موسیٰ بھائی نے دونوں کو ان کے والدین سمیت اپنی کوٹھی میں طلب کیا۔ شجاعت اور شعبان اپنی بیویوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ موسیٰ بھائی نے کہا۔ ”میں نے تم لوگوں پر بھروسا کیا تھا۔ ہوٹل کا کاروبار تمہارے حوالے کیا تھا مگر تم سب نے میرے اعتماد کو بری طرح مجروح کیا۔ میں نے تم سے تمام کاروباری اختیارات چھین کر تمہیں سزا دی مگر کیا فائدہ ہوا؟“

انہوں نے بیٹوں کو گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔ ”تمہیں شرمندہ ہونا چاہیے تھا۔ سزائیں پانے کے بعد خود کو راہِ راست پر لانا چاہیے تھا مگر تم سب کو جھوٹ' فریب اور بے ایمانی کا روگ لگ چکا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ناقابلِ علاج ہوچکے ہو۔ میں تمہیں انسان بنانے کی کوششیں کر رہا ہوں لیکن تم غیر انسانی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔“

شجاعت نے کہا۔ ”آپ ہوٹلوں کا کاروبار چھین کر ہمیں انسان بنانا چاہتے ہیں' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

شعبان نے کہا۔ ”آپ نے ہمیں ہماری روز کی آمدنی سے محروم کردیا۔ آپ چاہتے ہیں' ہم ہاتھ میں تسبیح لے کر ڈھنگ کی روزی کمائیں مگر آج کے دور میں یہ ممکن نہیں ہے۔“

انہوں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ”ممکن ہے۔ موجودہ دور کو تم جیسے لوگ ہی بگاڑ رہے ہیں۔ تم چاہتے ہو راتوں رات دولتمند بن جائیں۔ تم غریب عوام کی طرح بے روزگار اور بدحال نہیں ہو۔ میں تم سب کے گھریلو اخراجات پورے کر رہا ہوں۔ تمہیں روٹی' کپڑا اور مکان کی فکر نہیں ہے اور کیا چاہیے...؟“

”صرف روٹی' کپڑا اور مکان سے اعلیٰ سماجی حیثیت نہیں بنتی۔“

”تمہارے بینک اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے ہیں۔ حیثیت بنانے کے لیے لاکھوں روپے سے کوئی بھی کاروبار کرسکتے ہو۔ رفتہ رفتہ ترقی کرسکتے ہو مگر بے انتہا دولت حاصل کرنے کے لیے بے ایمانی کا شارٹ کٹ راستہ ڈھونڈتے رہتے ہو۔“

اس نے فرہاد اور شمع کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں کو ابھی دولت کی نہیں' ایک دوسرے کی ہوس ہے۔ تم نے ایک دوسرے کو پالینے کی ہوس میں دین کے احکامات کے خلاف شرمناک حرکتیں کی ہیں اور ایسا کرنے کے لیے تمہارے ماں باپ نے گناہ کے دروازے کھولے ہیں۔“

شجاعت اور شعبان کچھ کہنا چاہتے تھے۔ موسیٰ بھائی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”کچھ نہ کہو۔ چپ چاپ سنتے رہو۔ شعبان! تم نے فرہاد کو اپنا داماد بنانے کے لیے بیٹی کو چھوٹ دی۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شمع کو اسلام آباد بھیجا۔ وہاں رہائش کے لیے ایک اپارٹمنٹ لیا اور فرہاد کو ہوٹل سے اپارٹمنٹ میں منتقل کرادیا۔“

پھر اس نے شجاعت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور تم نے اریبہ کو بہو بنانے کے لیے ہوٹل سے دور اپنے بیٹے کو خیالی اریبہ کے بنگلے میں رہنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم لوگوں نے آسانی سے دولت کے حصول کی خاطر اپنی اولاد کو گناہ کا سبق پڑھایا ہے؟“

اس نے فرہاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ اس نے ہوٹل سے نکل کر اپارٹمنٹ میں رہنے کے لیے باپ سے جھوٹ بولنا شروع کیا۔ دو ماہ تک یہ کہہ کر دھوکا دیتا رہا کہ اریبہ کے ساتھ کہیں رہتا ہے اور یہ باپ بھی خوشی سے بغلیں بجاتا رہا کہ اریبہ جیسی بہو آنے والی ہے۔“

پھر اس نے شعبان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ”تم پر دو ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ بیٹے کے لیے بولانے گئے اور خود اس لڑکی کے دیوانے عاشق بن گئے۔ شیطانی کھوپڑی میں ایک ہی بات تھی کہ ارب پتی بن جاؤں، چاہے بیٹی جیسی ایک ایب نارمل بچی کو ہوس کی سان پر کیوں نہ چڑھانا پڑے۔“

شعبان نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ہمیں ذلیل کرنے کے لیے بلایا ہے۔ دل کی بھڑاس نکل گئی ہو تو جانے کی اجازت دے دیں۔“

”یہ ہے تمہاری بے حسی.... میں آئینہ دکھا رہا ہوں۔ تمہیں راہِ راست پر لانے کے لیے غلطیوں کی نشاندہی کر رہا ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ دل کی بھڑاس نکال رہا ہوں...؟“

پھر وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہ یقین ہوچکا ہے' تم علاج اور اصلاح کے قابل نہیں رہے ہو پھر بھی آخری بار سمجھا رہا ہوں۔ بے ایمانی اور بے شرمی سے باز آجاؤ۔ اب بھی وصیت میں تم سب کے نام درج ہیں۔“

سب نے چونک کر دل ہی دل میں خوش ہوکر اسے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ”تم سب کو انصاف سے حقوق ملیں گے لیکن....“

وہ بیٹوں کو گھورتے ہوئے بولا۔ ”تم لوگوں نے اپنی روش نہیں بدلی تو میں اپنا کاروبار مردار کھانے والے جھوٹے فریبیوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اس ملک میں آتے جاتے حکمرانوں کو دیکھو۔ یہ تمہاری طرح خود غرض ہیں۔ عوام کو غریب سے غریب تر بنا رہے ہیں۔ تم بھی آئندہ گا ہکوں کو بیمار جانوروں کی بیماریاں کھلاتے رہو گے۔ سدھر جاؤ۔ ایمان کے راستے پر چلو۔ ورنہ میں اس ملک کی طرح اپنے کاروبار کو تباہ ہونے نہیں دوں گا۔ وصیت سے تم سب کے نام حرفِ غلط کی طرح مٹادوں گا۔“

اس نے ایک گلاس میں پانی ڈال کر چند گھونٹ پیے۔ پھر کہا۔ ”فرہاد! تم نے اریبہ کے سلسلے میں باپ کو دھوکا دیا۔ آئندہ کسی معاملے میں دادا کو بھی دھوکا دے سکتے ہو۔ تم لوگ ہوس کو محبت کو نام دیتے ہو۔ اس کے نشے میں فریبی بن گئے ہو۔ ہماری دنیا میں طرح طرح کی ہوس کا بازار لگا ہے۔ تمہارا نشہ اور بڑھے گا اگر میری وصیت سے اپنا نام نہیں مٹانا چاہتے تو آئندہ اپنے اعمال سے خود کو سچا اور ایماندار ثابت کرنے کی کوششیں کرتے رہو۔“

فرہاد نے سر جھکا کر کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں پھر بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“

شمع نے کہا۔ ”جھوٹا وعدہ نہ کرو۔ اسی لمحے سے خود کو سچا ثابت کرو۔ ہم ابھی سے دادا جانی کا دل جیت لیں گے۔“

فرہاد نے پریشان ہوکر اپنے بزرگوں کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ”سچ بولنے کا وقت آئے گا تو ضرور بولوں گا۔ یہاں ہمیں بزرگوں کے درمیان خاموش رہنا چاہیے۔“

موسیٰ بھائی نے پوتے کو گھور کر دیکھا پھر پوچھا۔ ”تم اسے کیوں چپ کرا رہے ہو؟ یہ کیا کہنا چاہتی ہے؟ کیا تم مجھ سے جھوٹا وعدہ کر رہے ہو؟“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ چاہتی ہے۔ جلد ہی ہماری شادی ہوجائے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ آپ پہلے ہمیں تعلیم مکمل کرنے کو کہیں گے پھر یہ سوچا گیا کہ ہم آپ کی لاعلمی میں کورٹ میرج کرلیں مگر صرف سوچا ہے۔ ایسا کیا نہیں ہے۔ آپ کو دھوکا نہیں دیا ہے۔“

اس نے شمع سے پوچھا۔ ”کیا یہ درست کہہ رہا ہے؟“

فرہاد نے کہا۔ ”شمع! پلیز کہہ دو' یہ درست ہے۔ دادا جانی کو خواہ مخواہ نہ الجھاؤ۔“

شمع جیسے تذبذب میں تھی۔ اس نے فرہاد کو پھر اپنے تمام بزرگوں کو دیکھا۔ موسیٰ بھائی نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو؟“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی ”میں ابھی ایک منٹ میں آتی ہوں۔“

موسیٰ بھائی نے کہا۔ ”ضرور کچھ چھپا رہی ہو مگر مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گی؟“

”میں بس ایک منٹ میں واش روم سے آرہی ہوں۔“

وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر کوٹھی کے دوسرے حصے میں چلی گئی۔ فرہاد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔''

موسیٰ بھائی نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا۔ ''بیٹھ جاؤ بے شرم! کیا اس کے پیچھے واش روم میں جاؤ گے؟''

وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ ایسے وقت موسیٰ بھائی نے اپنے فون کا بزر سنا۔ اسے سینٹر ٹیبل سے اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو...؟''

شمع کی آواز سنائی دی۔ ''دادا جانی! میں بول رہی ہوں۔ کچھ ایسی بات ہے' جسے آپ کے سامنے بول نہیں سکتی تھی۔ ابھی آپ کی نظروں سے اوجھل ہو کر شرم سے مری جا رہی ہوں۔''

وہ ذرا چپ ہوئی۔ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہوں.... بولو میں سن رہا ہوں۔''

رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر پچھتا رہی ہوں۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں ہے کہ سچ بولوں گی اور آپ کو حقیقت معلوم ہو گی تو آپ مجھے نظروں سے گرا دیں گے۔ مجھ سے کبھی نہیں بولیں گے۔''

وہ ایک ذرا توقف سے بولی۔ ''اگر میں نے سچ نہ کہا تو سب مل کر اس سچائی کو دفن کر دیں گے۔ پتا نہیں' کتنی سچائیاں چھپائی جاتی ہیں اور آپ بے خبر رہتے ہیں۔''

''میں بہت کچھ جانتا ہوں' مگر انجان بن کر رہتا ہوں۔ اب جو چھپایا جا رہا ہے وہ بھی تم سے معلوم ہو جائے گا۔''

وہ روتے روتے بولی۔ ''میں... میں ماں بننے والی ہوں۔''

یکبارگی جیسے دھماکا ہوا۔ وہ بیٹھے بیٹھے لرز کر رہ گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میرے اور فرہاد کے ممی ڈیڈی کہتے ہیں کہ آپ کو یہ بات معلوم ہو گی تو الزام سب پر آئے گا۔ ان کی سرپرستی اور لالچ کے باعث ہی مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ اتنی بڑی غلطی آپ معاف نہیں کریں گے۔ انہیں اپنی وصیت سے خارج کر دیں گے.... وہ اتنے بڑے نقصان سے بچنے کے لیے ہونے والے بچے کو ضائع کر دینا چاہتے ہیں۔''

موسیٰ بھائی کو ایسا صدمہ پہنچ رہا تھا کہ وہ سامنے بیٹھی ہوئی اولادوں کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میرے بچے کو کچھ ہوا تو میں مر جاؤں گی۔ دادا جانی! میں گناہ گار سہی۔ مگر اپنے بچے کے لیے تنہا فائٹ کر رہی ہوں۔ ایک غلطی کے بعد دوسری بڑی غلطی نہیں ہونے دوں گی۔ خدارا... آپ میرے لیے کچھ کریں۔''

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''میں ابھی بات کرتا ہوں۔ فون بند نہ کرنا۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فون کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سامنے بیٹھے ہوئے افراد سے بولا۔ ''میں ابھی آ رہا ہوں اور جب تک نہ آؤں' تب تک کوئی یہاں سے نہ ہلے۔''

پھر وہ فون پر سے ہاتھ ہٹا کر بولتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ سب ہی نے متجسس ہو کر ادھر دیکھا' جدھر وہ گیا تھا۔ شجاعت نے فرہاد کو دیکھتے ہوئے پوچھا ''یہ کہاں گئے ہیں؟ کس سے باتیں کرتے ہوئے گئے ہیں۔''

شعبان نے کہا۔ ''کچھ غصے میں دکھائی دے رہے ہیں۔''

فرہاد نے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے' شمع کوئی حماقت کر رہی ہے۔ وہ بچے کے معاملے میں بہت جذباتی ہو چکی ہے۔''

شجاعت کی بیوی نے شعبان کی بیوی سے کہا۔ ''تمہاری بیٹی نے سچ بولنے کی غلطی کی تو بابا جانی ہم سب کو ذلیل کر کے یہاں سے نکال دیں گے۔''

فرہاد بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''میں نے پہلے ہی آپ سب سے کہا تھا' بچے کو ضائع کرنے کی بات نہ کریں۔ وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

شعبان کی بیوی فریحہ نے کہا۔ ''تم نے میری بیٹی کے ساتھ رہ کر اسے برباد کیا ہے۔ میری بچی تو کہیں کی نہ رہی۔''

شجاعت کی بیوی نے اپنے بیٹے کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ''اپنی بیٹی کو ایسی بھولی اور پارسا نہ بناؤ۔ میرے بیٹے کو تم ہی نے اپارٹمنٹ میں اس کے پاس پہنچایا تھا۔''

شجاعت نے کہا۔ ''چپ ہو جاؤ۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ شمع نے سچ اگل دیا ہو' مگر تم دونوں کی لڑائی سے ضرور بھانڈا پھوٹے گا۔''

فریحہ نے کہا۔ ''وہ واش روم میں گئی ہے۔ واپس کیوں نہیں آ رہی ہے؟ مجھے جا کر دیکھنا چاہیے۔''

شعبان نے کہا۔ ''چپ چاپ بیٹھی رہو۔ بابا جانی نے کہیں جانے سے منع کیا ہے۔''

شجاعت نے شعبان سے کہا۔ ''صاف سمجھ میں آ رہا ہے' تمہاری بیٹی نے فون پر کچھ کہا ہے۔ بابا جانی اس کے پاس گئے ہیں۔ یہ لکھ لو... وہ لڑکی ہمیں وصیت سے خارج کرانے کی حماقت کر رہی ہے۔''

ایک ملازم نے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔ ''بھائی نے آپ سب کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔''

گھروں کے اور ہوٹلوں کے تمام ملازمین موسیٰ بھائی کو ''بھائی'' کہا کرتے تھے۔ اس کی بات سنتے ہی سب کے سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ تیزی سے چلتے ہوئے اس کے بیڈروم میں پہنچے۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا۔ شمع اسے کھانے کے لیے دوا اور پانی سے بھرا ہوا گلاس دے رہی تھی۔ سب ہی اس لڑکی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے اور چہرے سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ عدالت ڈرائنگ روم سے بیڈروم میں کیوں منتقل ہو گئی ہے؟

موسیٰ بھائی نے دوا کھانے کے بعد بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بڑی نقاہت سے کہا۔ ''کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم سب میری اولاد نہ ہوتے۔ میں ابھی اچھا بھلا تھا۔ گھر کی چار دیواری میں گھوم پھر رہا تھا۔ دیکھو.... اب بستر پر آ کر گر پڑا ہوں۔ تم لوگوں کی یہ بے غیرتی اور بے شرمی مجھے وقت سے پہلے مار ڈالے گی۔''

فرہاد نے شکایت بھری نظروں سے شمع کو دیکھا۔ سب ہی سمجھ گئے کہ بھید کھل گیا ہے۔ موسیٰ بھائی نے فرہاد سے کہا۔ ''میری پوتی کو کیا دیکھ رہے ہو بے شرم....! تم پر بڑا اعتماد تھا کہ جھوٹ نہیں بولتے ہو۔ افسوس....! تمہارے ماں باپ نے تمہیں یہ ہنر سکھا دیا ہے۔''

اس نے شجاعت اور شعبان کو پھر اپنی بہوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگوں پر کتنی بار لعنت بھیجوں؟ میری وصیت میں اپنی اسامی قائم رکھنے کے لیے اپنی بیٹی اور بیٹے کے گناہوں پر پردہ ڈال رہے تھے۔ ایک معصوم کو پیدا ہونے سے پہلے قتل کرنے والے تھے۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہا۔ ''اس بدنامی کو کیسے چھپاؤ گے؟ گناہ کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اسے چھپانے کے لیے ایک معصوم کو ہلاک کرنے کا جرم سرزد ہو گا اور یہ ہمارے دین کے خلاف ہے۔''

شعبان نے کہا۔ ''بابا جانی! ہم کچھ بولنے کا منہ نہیں رکھتے۔ آپ ہمیں جوتے ماریں مگر آج ہی ان کا نکاح پڑھوا دیں۔ اس طرح شادی کے بعد اولاد.....''

اس نے غصے سے گرجنا چاہا مگر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ سب ہی ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ شمع اپنے دادا کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت ذرا بحال ہوئی تو اس نے پھر نقاہت سے کہا۔ ''بچوں کا نکاح پڑھوانے کو کہتے ہو۔ کیا اتنا نہیں جانتے' حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہوتا؟ اسلام نے جس بات کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسے میں ہونے نہیں دوں گا۔''

فریحہ نے کہا۔ ''میری بیٹی کا کیا بنے گا؟ نہ اسے بچے سے نجات ملے گی نہ آپ اس کا نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ بدنام ہو گی تو آپ اور ہمارا پورا خاندان بدنام نہیں ہو گا؟''

وہ غصے سے چیخ پڑا۔ ''میں کیا کروں؟ میں نے کبھی کوئی جرم نہیں کیا۔ کیسے اسقاط حمل کا جرم ہونے دوں؟ میں نے کبھی حرام کھایا نہ کھلایا۔ کوئی ناجائز کام کبھی کیا نہ ہونے دیا۔ پھر ناجائز نکاح پڑھانے کی اجازت کیسے دے دوں؟''

وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اے گناہ گارو! تم نے یہ کیسی گناہ آلود دنیا بنائی ہے؟ آج یہ بوڑھا اپنی آخری عمر میں گناہ گار کی زبان سے کہہ رہا ہے۔ میری پوتی کی عزت رکھ لو۔ اسے رسوا نہ ہونے دو۔''

وہ دونوں ہتھیلیوں سے منہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شمع اس کے قدموں سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ باقی گناہ گاروں کی گردنیں رسمی طور پر جھکی ہوئی تھیں' جیسے وہ سب سے زیادہ شرمسار ہوں۔

اچانک ہی شمع اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ موسیٰ بھائی کے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے تھے۔ حلق سے عجیب طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جیسے وہ سخت اذیت سے گزر رہا ہو۔ سب ہی قریب آ گئے تھے۔ اسے تھپک رہے تھے، سہلا رہے تھے، پوچھ رہے تھے۔ ''بابا جانی....! یہ آپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے.....؟''

اگر وہ جواب دینے کے قابل ہوتا' تب بھی کسی کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس بوڑھے کو بے حیائی اور بے غیرتی مار رہی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے' بے شرموں کو شرم نہیں آتی مگر جو سننے اور دیکھنے والے حساس ہوتے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹنے اور بکھرنے لگتے ہیں۔

فوراً ہی فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے آ کر سکون آور دوائیں کھلائیں۔ ایسی شدید ضرب پڑی تھی کہ دوائیں بے اثر ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے مجبوراً خواب آور انجکشن لگا کر سلا دیا۔

پھر بیٹوں سے کہا۔ ''انہیں گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہے تو ان کے سامنے ڈسکس نہ کریں۔ تکلیف پہنچانے والی کوئی بات نہ کریں۔ ان کے آس پاس زیادہ بھیڑ نہ لگائیں۔ یہاں کسی ایک تیماردار کا رہنا کافی ہے۔''

ڈاکٹر ضروری ہدایات دے کر چلا گیا۔ موسیٰ بھائی گہری نیند میں تھا۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ شمع کے پیچھے

پڑ گئے۔ اسے باتیں سنانے لگے۔

شجاعت نے کہا۔ ''بابا جانی کے سامنے بڑی سچی اور ایماندار بن رہی تھیں۔ دیکھ لو تمہاری سچائی نے ان کی کیا حالت کر دی ہے؟''

وہ بولی۔ ''میں نے نہیں.... آپ لوگوں کے اعمال نے انہیں شاک پہنچایا ہے۔ میں تو صرف اپنے بچے کی سلامتی چاہتی ہوں۔ اللہ نے چاہا تو میرے گناہ معاف ہوں گے اور یہ سلامت رہے گا۔''

فرہاد کی ماں نے کہا۔ ''میں تو ایسی ضدی لڑکی کو کبھی اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔''

وہ بولی۔ ''جو مجھے بدنامی سے نہیں بچائے گا' دادا جانی کی نیک نامی پر کیچڑ اچھالے گا۔ میرے بچے کو مار ڈالنا چاہے گا۔ وہ دادا جانی کی نظروں سے گر جائے گا۔ ان کی وصیت سے خارج ہو جائے گا۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے' مجھ پر حرف نہیں آنے دیں گے۔''

فریحہ نے بیٹی سے پوچھا۔ ''وصیت کے متعلق انہوں نے تم سے کیا کہا ہے؟''

شعبان نے پوچھا۔ ''تم نے سچ بول کر ان کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ ہمارا نام تو وصیت میں رہے گا ناں؟''

شمع نے فرہاد اور شجاعت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں وصیت کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی کہ وہ آئندہ کیا کرنے والے ہیں؟ عقل سمجھاتی ہے' انہیں صدمہ نہ پہنچایا جائے پھر وہ سب ہی سے راضی رہیں گے۔''

فرہاد نے اس کے قریب آ کر کہا۔ ''میرے منع کرنے کے باوجود تم نے دادا جانی سے سچ کہا۔ میں بہت خوش ہوں۔ تم نے ہمارے بچے کی سلامتی کے لیے جو کیا' بہت اچھا کیا۔''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''میں تمام بزرگوں کے سامنے کہہ رہا ہوں۔ اگر انہوں نے دو دن کے اندر ہمارا نکاح نہ پڑھوایا تو ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔ اب ہماری شادی میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

یہ باتیں سب ہی سن رہے تھے۔ فرہاد کے ماں باپ کو شادی پر اعتراض تھا۔ وہ شمع کو بہو بنانا نہیں چاہتے تھے اور وصیت سے خارج بھی ہونا نہیں چاہتے تھے۔ دادا جان کی لاڈلی پوتی کو بدنامی کے راستے پر چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا یوں چپ چاپ بیٹھے تھے' جیسے حالات سے سمجھوتا کر رہے ہوں۔

☆☆☆

وقت گزر رہا تھا۔ موسیٰ بھائی کی طبیعت کبھی سنبھل جاتی تھی' کبھی بگڑ جاتی تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی کوٹھی کو جیسے اسپتال بنا لیا تھا۔ ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر وہاں آٹھ گھنٹے تک ڈیوٹی پر رہتا تھا۔ چار نرسیں چھ چھ گھنٹے کے حساب سے تیمارداری کے لیے حاضر رہتی تھیں۔ ایک بوڑھے تجربہ کار ڈاکٹر سے دن رات فون پر رابطہ رہتا تھا۔ جب بھی دورہ پڑتا یا استھما کے باعث سانسیں رکنے لگتیں تو وہ ڈاکٹر فوراً حاضر ہو جاتا تھا۔

ایسے انتظامات کے پیش نظر بیٹوں' بہوؤں اور پوتے پوتیوں کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ضرورت مند وہ لوگ تھے' جو یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے کہ وصیت میں کس کا کتنا حصہ لکھا گیا ہے؟ لکھا گیا بھی ہے یا نہیں....؟ وہ اندیشوں اور تجسس میں مبتلا رہ کر اس کی خدمت کرنے کے بہانے کوٹھی میں آنا چاہتے تھے مگر وہاں داخلہ ممنوع ہو چکا تھا۔

موسیٰ بھائی کا حکم تھا۔ ''کوئی اپنی صورت نہ دکھائے۔ جب میری آنکھیں بند ہو جائیں' تب میری صورت دیکھنے آ جائیں۔''

دوسرا حکم تھا۔ ''خاندانی مسائل پیش نہ کیے جائیں۔ کسی سے اچھائی کی توقع نہیں ہے۔ اپنی برائیوں کا علم مجھے نہ ہونے دیں اور اپنے برے اعمال کے نتائج سے خود ہی نمٹتے رہیں۔''

ملاقات کے لیے دو ہی افراد آیا کرتے تھے۔ ایک وکیل کرامت علی تھا اور دوسرا موسیٰ بھائی کا معتمد خاص نبی جان تھا۔ وہ اس کے پانچ ہوٹلوں کا منتظم اعلیٰ تھا۔ بڑی دیانتداری سے کاروبار چلا رہا تھا اور وکیل اتنا اہم تھا کہ پانچوں بیٹوں کی نظریں اس پر جمی رہتی تھیں۔

یہ صرف کرامت علی جانتا تھا کہ موسیٰ بھائی وصیت لکھ چکے ہیں یا لکھنے والے ہیں؟ اگر لکھ چکے ہیں تو کیا وقت اور حالات کے مطابق اس میں کسی طرح کی تبدیلیاں لا رہے ہیں؟

وکیل کرامت علی' موسیٰ بھائی کے رازوں کا امین تھا اور پانچوں بیٹوں کے لیے قسمت کی تالے کی چابی تھا۔ وہ پانچوں اس وکیل کو سلام کرتے تھے۔ صاحب سلامت کی حد سے آگے دوستانہ انداز اختیار کر رہے تھے۔ اس کی کمزوریوں اور بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو سمجھ رہے تھے۔ کمزوریاں سب ہی میں ہوتی ہیں۔ سب ہی ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن کرامت علی اپنی کسی ضرورت سے مجبور نہیں ہوتا تھا۔ ان سے تحفے کی صورت میں بھی رشوت وصول نہیں کرتا تھا۔

وہ تمام بھائی وصیت کے معاملے میں متحد ہو گئے تھے۔ اکثر یکجا ہو کر پلاننگ کرتے تھے کہ کس طرح وصیت کے ایک ایک لفظ کو اپنے حق میں کیا جا سکتا ہے؟

بڑے بھائی شجاعت نے کہا۔ ''ہمیں کسی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ بابا جانی نے ہماری کیسی تقدیر لکھی ہے؟''

چھوٹے بھائی نے کہا۔ ''یہ تو ان کی وفات کے بعد ہی معلوم ہوگا۔''

شعبان نے کہا۔ ''تب تک تو پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ بڑے میاں ہمیں ڈبو کر جا چکے ہوں گے۔''

ایک اور بھائی فرقان نے کہا۔ ''وہ بڑھاپے میں اور زیادہ بدمزاج اور چڑچڑے ہو گئے۔ غصے میں تمام دولت اور جائیداد محکمہ اوقاف کے حوالے کر سکتے ہیں۔''

ایک اور بھائی منور نے کہا۔ ''مجھے بھی یہی اندیشہ ہے۔ بعد میں معلوم ہوگا کہ ہمیں دولت اور جائیداد سے محروم کیا گیا ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ بس... ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔''

''ان کی زندگی میں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہمیں سزا کے طور پر کچھ نہیں دے رہے ہیں تو ہم ان کے قدموں میں گر کر ناک رگڑ کر انہیں منا لیں گے پھر بہت کچھ حاصل کر سکیں گے۔''

''پھر بھی وہ نہ مانیں۔ ہمارے حقوق دینے پر راضی نہ ہوئے تو.....؟''

سب کو چپ سی لگ گئی۔ سب ہی غصے سے اور معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے باپ کا گلا دبوچنا چاہتے ہوں پھر بڑے بھائی نے کہا۔ ''کچھ تو کرنا ہوگا۔ وہ بہت ضدی ہیں۔ ہم انہیں جان سے مارنا چاہیں گے' تب بھی وہ دین ایمان کی باتیں کرتے رہیں گے۔ ہمیں کچھ نہیں دیں گے۔''

دوسرے بھائی نے کہا۔ ''اور ہم ہر حال میں اپنے حقوق حاصل کر کے رہیں گے۔ ایک دن نبی جان نے کہا تھا کہ فی الوقت تمام ہوٹل اور مختلف جائیداد کی مالیت دو سو کروڑ روپے ہے۔ ہم اتنی دولت محکمہ اوقاف میں جانے نہیں دیں گے۔''

اس روز یہ طے کیا گیا کہ ان بھائیوں کی بیویاں' وکیل کرامت علی کی بیوی سے دوستی کریں گی۔ عورت زیادہ سے زیادہ سونا پہننے کے شوق میں اپنا ایمان' اپنی شرم حیا بھی بیچ دیتی ہے۔ اس وکیل کی گھر والی کو شیشے میں اتارا جا سکتا تھا۔

ان سب کی بیویاں یہ نیک کام کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ انہوں نے ابتدائی رپورٹ یہ پیش کی کہ بیگم کرامت علی پیدائشی لالچی ہے اور وہ وکیل اپنی بیوی کے دباؤ میں رہتا ہے۔ کوششیں جاری رہیں گی تو جلدی کام بن جائے گا۔

ان بھائیوں کی یہ حالت تھی کہ ان کے پاس بہت کچھ ہوتے بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنے طور پر دولت مند بننے کے لیے کوئی نہ کوئی کاروبار شروع کرتے تھے۔ اسے کچھ عرصے تک جاری رکھنے کے بعد نقصان اٹھا کر کاروبار کو بند کر دیتے تھے۔ پھر دوسرا شروع کر دیتے تھے۔

ان کے ذہنوں میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ اپنے باپ کی طرح ایسا کاروبار کریں گے' جس سے دن دگنی اور رات چوگنی آمدنی ہوتی رہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ باپ کو برسوں کی محنت کے بعد میٹھا پھل مل رہا تھا اور وہ بے ایمانی اور ہیرا پھیری کے شارٹ کٹ طریقے اپناتے تھے' انجام کار ناکام رہتے تھے۔

اس کے تیسرے اور چوتھے بیٹے فرقان اور منور نے ایک اسپتال کے قریب اپنی کوٹھیوں کے سامنے موسیٰ بھائی ڈرگ اسٹور کے نام سے دواؤں کی دکان کھولی تھی۔ اس دکان سے معقول روزی حاصل ہو رہی تھی۔ وہ اس عزت اور نیک نامی سے رفتہ رفتہ کاروبار کو بڑھا کر زیادہ منافع حاصل کر سکتے تھے مگر وہ فوراً ہی چور کمائی کے راہ پر چل پڑے۔

دوا فروشوں پر پابندی ہے کہ وہ ڈاکٹری نسخوں کے مطابق دوائیں فروخت کریں لیکن ایسی دکانوں میں بڑی رازداری سے نشہ آور دوائیں بھی فروخت ہوتی ہیں۔ فرقان موسیٰ اور منور موسیٰ کو دونوں ہاتھوں سے منافع سمیٹنے کے لیے یہ چور راستہ مل گیا۔ وہ ڈاکٹری نسخے کے بغیر خواب آور اور نشہ آور گولیاں' کیپسول اور مسکن انجکشن فروخت کرنے لگے۔

جب وہ رات کو دکان بند کر کے گھر جاتے تو ان کی جیبوں میں کم سے کم منافع کے پانچ چھ ہزار روپے ضرور ہوتے۔ وہ ماہانہ ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے کمانے لگے۔ انہوں نے اپنے تینوں بھائیوں سے کہا۔ ''ہم آئندہ چند برسوں میں بابا جانی سے زیادہ کمانے لگیں گے۔''

فرقان موسیٰ نے کہا۔ ''انہوں نے ہوٹل کے کاروبار میں ہمارا جھوٹ اور بے ایمانی پکڑ لی تھی۔ مگر یہ دھندا ایسا ہے کہ ہمیں پولیس والے بھی آ کر پکڑ نہیں سکیں گے۔''

منور موسیٰ نے کہا۔ ''اب ہم بابا جانی کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ ہمیں کچھ دیں گے تو ہم لے لیں گے۔ ورنہ آپ لوگوں کی طرح ان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے۔''

شجاعت نے کہا۔ ''ایسا نہ کہو۔ اپنا کاروبار کامیابی سے جاری رکھو' مگر وصیت کے معاملے میں ہمارے ساتھ رہو۔ وکیل کرامت علی کی بیوی پچیس لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہی ہے۔''

فرقان موسیٰ نے تعجب سے پوچھا۔ ''وہ کس بات کے پچیس لاکھ روپے مانگ رہی ہے؟ صرف وصیت کے کاغذات دکھانے کے عوض اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؟''

''ہمیں اس خفیہ وصیت کو صرف پڑھنا نہیں ہے۔ اگر وہ ہمارے حق میں نہ ہوئی تو اسے تبدیل بھی کرانا ہے۔''

''بابا جانی اسے تبدیل نہیں کریں گے۔''

''ان کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی۔ قانون سے کھیلنے والا وکیل ہمارا ساتھ دے گا تو بڑی رازداری سے ہمارے حق میں ایک نیا وصیت نامہ تیار ہو جائے گا۔ جعلی وصیت' بابا جانی کے جعلی دستخط اور عدالت کی مہر کو کوئی غلط ثابت نہیں کر سکے گا۔''

شعبان نے کہا۔ ''وصیت ان کی موت کے بعد لا کر سے نکالی جائے گی۔ وہ اسے جعلی کہنے کے لیے قبر سے نکل کر نہیں آئیں گے۔ بیگم کرامت علی پچیس لاکھ مانگ رہی ہے۔ ہم اسے بیس لاکھ میں راضی کر لیں گے۔''

منور موسیٰ نے کہا۔ ''پھر بھی بیس لاکھ بہت ہیں۔''

''بابا جانی دو سو کروڑ کی جائیداد اور نقد رقم چھوڑ کر جائیں گے۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے لیے بیس لاکھ کچھ بھی نہیں ہیں۔''

فرقان اور منور موسیٰ نے آپس میں مشورہ کیا۔ باپ کے تمام ہوٹلوں کو اپنے نام کرنے کے لیے ہر بھائی کو چار چار لاکھ ادا کرنے تھے۔ تب ہی بیس لاکھ کی ادائیگی ہو سکتی تھی۔

فرقان نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے' ہم دونوں بھائیوں کو دوا کی دکان سے آٹھ لاکھ روپے نکالنے ہوں گے۔ نہیں... ہم اتنا بڑا رسک نہیں لیں گے۔''

منور نے باقی تین بھائیوں سے صاف کہہ دیا۔ ''بابا جانی کچھ دیں گے تو ہم لیں گے ورنہ ہم تمہارے مشن میں شریک نہیں ہوں گے۔''

ان کا یہ فیصلہ دوسرے بھائیوں کی کامیابی کو ناکامی میں بدل سکتا تھا۔ وہ تینوں بیس لاکھ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ دو بھائیوں کی شمولیت لازمی تھی۔ شجاعت نے شعبان سے تنہائی میں کہا۔ ''میں تمہاری بیٹی شمع کو بہو بنانے سے انکار کرتا رہا تھا' مگر سیاسی پارٹیاں کتنا ہی ایک دوسرے سے اختلافات کریں۔ اقتدار کی کرسیوں تک پہنچنے کے لیے اپنے رویوں میں لچک پیدا کرتی ہیں۔ ہم نے بھی لچک پیدا کی۔ آج شمع میری بہو ہے اور اس کی گود میں میرا پوتا کھیل رہا ہے۔''

شعبان نے کہا۔ ''میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں مگر فرقان اور منور ہماری طرح کمزور اور ضرورت مند نہیں ہیں۔ وہ سیاسی لچک پیدا نہیں کریں گے۔''

''ہم انہیں کمزور بنائیں گے۔ ان کی دکان کا شٹر ڈاؤن کرائیں گے تو وہ ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

دونوں بھائیوں نے خوب سوچ سمجھ کر پلاننگ کی پھر بڑی رازداری سے تھانے میں مخبری کر دی۔ اسی دن پولیس نے دکان پر چھاپہ مارا۔ وہاں سے جو خواب آور اور مسکن دوائیں برآمد ہوئیں وہ ڈاکٹری نسخے کے مطابق فروخت کرنے کے لیے تھیں۔ ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ان بھائیوں کی کوٹھیاں دکان کے پیچھے تھیں۔ وہاں گھس کر تلاشی لی گئی تو لاکھوں روپے کی نشہ آور دوائیں برآمد ہوئیں۔ زیادہ فروخت ہونے والی مشہور و معروف دواؤں کے لیبل وہاں چھاپ کر رکھے گئے تھے۔ جن دواؤں کے استعمال کی مدت ختم ہو جاتی تھی۔ ان کی بوتلوں پر نئی مدت کے لیبل چپکا کر دیے جاتے تھے۔

ایسے مجرم پہلے بھی پکڑے گئے تھے۔ ان دواؤں کو استعمال کرنے والے مریض یا تو مر جاتے ہیں یا دائمی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس ملک خداداد میں کیسی بے رحمی سے جرائم ہوتے رہتے ہیں؟ پاک وطن پر ناز کرنے والے عوام بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت کھا کر جعلی دوائیں استعمال کر کے بے موت مرتے رہتے ہیں۔ نہ مارنے والے کم ہوتے ہیں' نہ مرنے والوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

فرقان موسیٰ اور منور موسیٰ کو گرفتار کر لیا گیا۔ منتظم اعلیٰ نبی جان ہر رات کاروباری رپورٹ دینے موسیٰ بھائی کے پاس آتا تھا۔ اس نے دو بیٹوں کی مجرمانہ اور غیر انسانی حرکتوں کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا۔ ڈاکٹر نے سختی سے تاکید کی تھی کہ اسے صدمہ پہنچانے والی کوئی بات نہ بتائی جائے۔

دو بیٹے حوالات میں تھے۔ پریس اور الیکٹرونک میڈیا کے رپورٹرز اور کیمرا مین ایس ایچ او سے ان کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور ویڈیو کیمرے سے تصویریں اتار رہے تھے۔ ایک کوٹھی میں تین بیٹے' ان کی بیویاں اور خاندان کے دوسرے افراد جمع ہو گئے تھے۔ وہ سب اس بحث میں پڑے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھائی کو ان دو بیٹوں کی گرفتاری کے متعلق بتایا جائے یا ابھی یہ بات چھپائی جائے؟

اگرچہ ڈاکٹر نے اسے شاک پہنچانے والی باتوں سے

منع کیا تھا مگر سب ہی کے دلوں میں یہ بات تھی کہ اسے شاک پہنچنا چاہیے۔ کتنی ہی بیماریاں اس پر حملے کرتی رہی تھیں مگر وہ بڑا ہی ڈھیٹ تھا۔ بستر پر گرتا تھا پھر اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ خیال تھا' شاک پہنچایا جائے گا تو شاید اللہ کو پیارا ہو جائے گا۔

سب ہی اس کے سامنے یہ کہنے پر متفق ہو گئے کہ ایک نہیں دو بیٹے ہتھکڑی پہن کر حوالات میں گئے ہیں۔ اس سے آگے عدالت میں جائیں گے پھر جیل جائیں گے۔ خاندان کی بدنامی ہوگی۔ موسیٰ بھائی کا نام اور نیک نامی خاک میں مل جائے گی۔ یہ شاک الیکٹرک شاک سے زیادہ کام دکھائے گا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ چٹ پٹ ہو جائے گا۔

شجاعت نے کہا۔ ''ہم میں سے کسی کو کوٹھی میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ خبر ان تک کیسے پہنچائی جائے؟''

بیوی نے کہا۔ ''وہاں کوئی روکنے والا بندوق لے کر نہیں کھڑا ہے۔ بابا جانی کا حکم ہی بندوق کی گولی کی طرح ہے۔ آپ سب سہم کر ادھر نہیں جاتے ہیں مگر اب ان سے ڈرنا کیسا؟ وہ اتنے بیمار ہیں کہ اٹھ کر غصہ بھی نہیں دکھا سکیں گے اور نہ ہی ملازم ہمیں اندر جانے سے روک سکیں گے۔''

فریحہ نے اپنے میاں شعبان سے کہا۔ ''میں تو کہتی ہوں' ہمیں ابھی وہاں جانا چاہیے۔ جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔''

بیگم شجاعت نے کہا۔ ''ہونا کیا ہے...؟ وہی ہوگا' جو ہم چاہتے ہیں۔ جب تک انہیں پار نہیں لگایا جائے گا۔ وہ نہیں ٹلیں گے۔''

ایسے وقت فرقان اور منور وہاں آ گئے۔ شجاعت اور شعبان انہیں دیکھتے ہی اچھل پڑے۔ سب ہی ان کی رہائی پر حیران ہو رہے تھے۔ شجاعت نے پوچھا۔ ''کیا ضمانت پر چھوٹ کر آئے ہو؟''

فرقان نے پوچھا۔ ''کیسی گرفتاری؟ کیسی ضمانت؟ ہمارے خلاف ایف آئی آر بھی درج نہیں کی گئی ہے۔''

منور نے کہا۔ ''مزہ آ گیا... اخبار والے ہم سے ایسے سوالات کر رہے تھے' جیسے ہم نے پریس کانفرنس بلوائی ہو۔ کتنے ہی چینلز کے کیمرے ہماری ویڈیو فلمیں تیار کر رہے تھے۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہی تو ہوتا ہے' ہمارے ملک میں... عوام کو اور خصوصاً مریضوں کو ہلاک کرنے والے مجرم پکڑے جاتے ہیں۔ ان کی تصویریں اخبار میں شائع کی جاتی ہیں۔ مختلف چینلز کے ذریعہ پولیس والے اپنی کارکردگی پیش کرتے ہیں پھر کیا ہوتا ہے...؟''

وہ سب حیرانی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ فرقان نے کہا۔ ''بعد میں کون پوچھنے آتا ہے کہ جنہیں گرفتار کیا گیا تھا' ان کا کیا بنا؟ انہوں نے جرائم کی سزا پائی یا جزا پائی؟''

منور نے ٹھینگا دکھاتے ہوئے کہا۔ ''کچھ نہیں بھائی! یہ اندھیر نگری ہے۔ یہاں لاکھ ڈیڑھ لاکھ کا کھیل ہوتا ہے۔ پھر قتل کے الزام سے بھی بری ہو کر چلے آتے ہیں۔ ہم دونوں نے پچاس پچاس ہزار دیے اور وہاں سے دھلے دھلائے چلے آئے۔''

وہ اپنی قمیص کا دامن پھیلا کر دکھاتے ہوئے بولا۔ ''فرق صاف ظاہر ہے...''

شجاعت اور شعبان نے چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان رہائی پانے والوں کو انہوں نے ہی گرفتار کرایا تھا۔ یہ چاہتے تھے' مقدمہ بازی میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے رہیں گے تو انہیں عقل آئے گی اور وہ واپس آ کر اپنے بھائیوں کے منصوبے میں شریک ہو جائیں گے۔

شجاعت نے کہا۔ ''تم دونوں ہماری کامیابی کے راستے میں رکاوٹ بن رہے ہو۔ ہمارے منصوبے میں شریک نہیں ہو رہے ہو۔ ابھی ہم تمہاری گرفتاری کی خبر سنا کر بابا جانی کو شاک پہنچانا چاہتے تھے۔ سب کا بھلا ہونے والا تھا مگر اب انہیں شدید صدمہ نہیں پہنچے گا۔ تم دونوں حوالات سے نکل آئے ہو۔''

فرقان نے کہا۔ ''ہمیں الزام نہ دو۔ ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہ سمجھ میں آ گیا ہے کہ ہیرا پھیری والا دھندا کسی وقت بھی مندا ہو سکتا ہے۔''

منور نے کہا۔ ''حالانکہ تھانے والوں سے معاملہ طے ہو چکا ہے۔ ہم ان کی جیبیں گرم کرتے رہیں گے اور وہ ہمارے کاروبار کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیں گے مگر سیانے کہتے ہیں' پولیس والوں سے نہ دوستی اچھی نہ دشمنی... ان سے دوری رہنا چاہیے۔''

فرقان نے کہا۔ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے' اپنے بھائیوں کا ساتھ دیں گے۔''

یہ سنتے ہی سب خوش ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ شجاعت نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ ''ہیئر یو آر... اسے کہتے ہیں' صبح کے بھولے شام کو گھر آئے۔''

شعبان نے کہا۔ ''اب تو بابا جانی کو شاک پہنچانا اور ضروری ہو گیا ہے۔ انہیں یہی اطلاع دی جائے گی کہ تم

دونوں نے بہت بڑی واردات کی ہے اور خاندان کی نیک نامی خاک میں مل گئی ہے۔''

شجاعت نے کہا۔ ''ہم تمہیں پوری تفصیل بتائیں گے کہ کس طرح بابا جانی کو بڑے پیار سے' بڑی محبت سے' بڑی ذمہ داریوں سے ہمیشہ کے لیے آرام پہنچانا ہے۔''

ایک بہو نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''ان کے بڑے احسانات ہیں ہم پر... ہمیں بھی ان پر احسان کرنا چاہیے۔ اتنی لمبی زندگی گزارتے چلے آ رہے ہیں۔ تھک کر ہانپنے لگے ہیں۔ اب بستر سے اٹھ نہیں پا رہے ہیں۔ ان کے احسانات کا بدلا اسی طرح چکایا جا سکتا ہے کہ انہیں دنیا سے اٹھا دیا جائے۔''

شعبان نے کہا۔ ''سب سے پہلے تو وکیل کو شیشے میں اتارنا ہے۔ ابھی وہ کترا رہا ہے مگر اس کے آگے پوری رقم رکھی جائے گی تو امید ہے' بات بن جائے گی۔ تم دونوں اپنے حصے کے چار چار لاکھ آج دو گے تو آج ہی سارے معاملات طے ہو جائیں گے۔''

فرقان نے کہا۔ ''ہم ابھی رقم ادا کریں گے اور وکیل سے بھی ملیں گے۔''

شجاعت نے کہا۔ ''صرف میں وکیل کرامت علی سے معاملات طے کر رہا ہوں۔ وہ رازداری چاہتا ہے اور رازداری صرف دو افراد کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ میں اسے یقین دلا رہا ہوں' مطمئن کر رہا ہوں کہ وصیت میں جو بھی تبدیلی ہوگی' اس کا علم کسی اور کو نہیں ہوگا۔ کسی کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ وکیل بابا جانی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہا ہے۔''

فرقان اور منور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ اعتراضاً کچھ کہنا چاہتے تھے۔ شعبان نے کہا۔ ''ہم میں سے کوئی وکیل سے نہیں ملتا ہے۔ اگر رازداری کے معاملے میں وکیل کو مطمئن نہیں کیا جائے گا تو وہ بدک جائے گا۔ ہمارے کام آنے سے انکار کر دے گا۔ صرف شجاعت بھائی اس سے ڈیلنگ کر رہے ہیں۔''

منور نے پوچھا۔ ''ٹھیک ہے۔ ہم اس سے نہیں ملیں گے مگر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تبدیل شدہ وصیت میں ہم سب کا برابر حصہ لکھا گیا ہے یا نہیں؟''

''کب باپ مرے گا؟ کب بیل بٹیں گے والی بات ہے۔ بابا جانی دنیا سے رخصت ہوں گے۔ اس کے بعد وصیت سنائی جائے گی' تب ہمیں معلوم ہو سکے گا کہ شجاعت بھائی نے سب کا برابر حصہ لکھوایا ہے۔''

فرقان نے کہا۔ ''اگر انہوں نے انصاف نہ کیا تو اس وقت ہم ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟''

منور نے کہا۔ ”ہمیں ابھی معلوم ہونا چاہیے۔ جب تمام معاملات ہم پانچوں کے درمیان طے پائے جا رہے ہیں تو وصیت کے معاملے میں رازداری کیوں؟ شجاعت بھائی ابھی ہمیں بتائیں کہ وصیت میں کیا لکھا جا رہا ہے؟“

شجاعت نے کہا۔ ”سیدھی سی بات ہے' بابا جانی نے جن پانچ ہوٹلوں کی ذمے داریاں ہمیں دی تھیں۔ وہی پانچوں ہمارے نام ہوں گے اور جن کوٹھیوں میں ہماری رہائش ہے' وہ بھی ہمارے نام ہو جائیں گی۔ بابا جانی کے مختلف اکاؤنٹس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہاں کتنی رقم موجود ہے اور کتنا سونا لاکر میں رکھا ہوا ہے؟ وصیت میں یہ لکھا جائے گا کہ یہ سب ہم پانچوں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے۔“

شعبان نے کہا۔ ”ہم پانچ بھائی ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم دیانتدار نہیں ہیں۔ اپنے اپنے معاملات میں خود غرض بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے پر بھروسا نہیں کرتے مگر وصیت کے معاملے میں کسی ایک پر کرنا ہی ہوگا کیونکہ وکیل کرامت علی کسی ایک سے ہی رازداری برتنا چاہتا ہے۔“

وہ پانچوں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے لیکن مال تقسیم کرنے سے پہلے واردات کرتے وقت چوروں کو ایک دوسرے کا سہارا لینا پڑتا ہے اور وہ کسی ایک پر بھروسا کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہی مجبوری ان کے ساتھ تھی۔ جس طرح تقدیر کے رحم و کرم پر رہنا پڑتا ہے' اسی طرح انہوں نے پار اترنے کے لیے شجاعت کو ناخدا بنا لیا تھا۔ یہ تقدیر جانتی تھی اور شجاعت جانتا تھا کہ وہ پار اترنے والے ہیں یا ڈوب جانے والے ہیں...

☆☆☆

موسیٰ بھائی بستر پر نڈھال سا پڑا ہوا تھا۔ ابھی ہاتھ پاؤں میں جان تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔ واش روم میں جا کر واپس آ سکتا تھا۔ اس کے بعد پھر نہیں اٹھتا تھا۔ زندگی نے اسے اٹھا کر اس طرح پٹخا تھا کہ بار بار پٹخے جانے کے لیے پھر نہیں اٹھنا چاہتا تھا۔ اس لیے دن رات پڑا رہتا تھا۔

جب وہ بیل بجاتا تو ڈیوٹی پر رہنے والی نرس حاضر ہو جاتی تھی پھر خدمات انجام دے کر باہر چلی جاتی تھی۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کمرے میں نہیں آتا تھا۔ وہ اپنوں سے تو کیا' بیگانوں سے بھی ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ساری دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا۔

اس نے بیل بجائی چند سیکنڈ کے بعد ہی ایک نرس حاضر ہو گئی۔ ”یس سر...! آپ ٹھیک تو ہیں؟“

اس نے کہا۔ ”جو ٹھیک ہوتے ہیں' وہ بستر پر نہیں... میدانِ عمل میں ہوتے ہیں۔ پتا نہیں' کتنے دن' کتنے مہینے گزر چکے ہیں؟ میں بھولتا جا رہا ہوں' یہ دنیا کیسی تھی جہاں میں جی رہا تھا؟“

”سر! ہم وہیل چیئر پر آپ کو لان میں لے جائیں گے۔ آپ باہر کی دنیا دیکھ سکیں گے۔“

”نہیں... یہ کمرا ہی میری آخری دنیا ہے۔ جن کے لیے جیتا رہا' اُن سب نے مجھے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ اب میں تنہا جینا چاہتا ہوں۔“

اس نے سر گھما کر بڑے سے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ”یہ بھی میری طرح' میرے کمرے کی طرح خاموش اور گم صم ہے۔ میرے اندر شکایتوں کا سیلاب ہے اور اس کے اندر ساری دنیا کا میلا لگا ہوا ہے۔ اسے آن کرو اور جاؤ...“

نرس نے آگے بڑھ کر ٹی وی آن کیا پھر ریموٹ کنٹرول اس کے پاس رکھ کر چلی گئی۔ بڑی سی اسکرین پر گھر سے باہر کی دنیا دکھائی دے رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا' جیسے قید تنہائی سے نکل کر پھر ایک بار ہنستے کھیلتے انسانوں کے درمیان پہنچ گیا ہے۔

چینل بدلتے ہی ایک زوردار دھماکا ہوا۔ وہ ایکدم سے لرز گیا۔ ایک جلسے میں خودکش حملہ ہوا تھا۔ انسانی جسموں کے چیتھڑے اڑ رہے تھے۔ قیامت کا منظر تھا۔ انسان... انسان کو مارتا ہے۔ چاہے بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت کھلا کر' یا جعلی دوائیں کھلا کر موت کے گھاٹ اتارتا ہو یا گولیوں سے چھلنی کرتا ہو اور بم دھماکوں سے اڑاتا ہو۔ یہ دنیا اب انسانوں کے رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

اس نے چینل بدل لیا۔ خبریں سن کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گھر سے باہر کی دنیا میں اور کیا کیا ہو رہا ہے؟ اس چینل سے خبریں سنائی جا رہی تھیں اور خبروں کے مطابق اسکرین پر متحرک تصاویر بھی پیش کی جا رہی تھیں۔ اگرچہ وہ بستر سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا مگر اسکرین پر اپنے دو بیٹوں کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ فرقان اور منور آہنی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ تھانے کا ایس ایچ او پریس رپورٹرز کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ ان جوابات سے پتا چل رہا تھا کہ اس کے بیٹے جعلی دوائیں فروخت کرنے کے جرم میں گرفتار کیے گئے ہیں۔

دماغ کو ایسا جھٹکا پہنچا کہ ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول چھوٹ گیا۔ وہ بیٹھے بیٹھے بستر پر گر پڑا۔ سارا بدن لرزنے لگا۔ اپنے آپ میں یوں سکڑنے لگا جیسے اس کی ساری شخصیت'

”ہاں ڈیئر! ہم نے جگہ ناپ لی ہے۔ تمہاری گاڑی یہاں پارک ہوجائے گی۔“

ساری نیک نامی سمٹ کر' مختصر ہو کر ختم ہونے ہی والی ہو۔

وہ اپنے بیٹے' بہوؤں' پوتے پوتیوں سے اسی لیے نہیں ملتا تھا کہ رشتے محبتیں کم دیتے ہیں اور صدمات کی مار زیادہ مارتے ہیں۔ اس نے ایک عرصے بعد تمام رشتوں سے نظریں چرا کر باہر کی دنیا کو دیکھنا چاہا تھا مگر وہاں بھی رشتے کا خنجر کہیں سے آ کر سینے میں اتر گیا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک دوا تجویز کی تھی اور نرس کو ہدایت کی تھی کہ موسیٰ بھائی کو کبھی صدمہ پہنچے اور وہ صدمہ ناقابل برداشت ہو تو ایسے وقت وہ دوا اس کے حلق میں ٹپکائی جائے اور وہ دوا اس کی دسترس میں تھی۔ قریب ہی سرہانے کی میز پر رکھی ہوئی تھی مگر ہاتھوں میں اتنی ہی جان تھی کہ وہ لرز رہے تھے اور زندگی کا ثبوت دے رہے تھے۔

اس کے حلق سے درد بھری کراہیں نکل رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ پکارنے کے لیے زبان ہلانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ ایسے وقت مسیحائی کے لیے کسی کو آنا چاہیے تھا اور وہ آ گئے۔ ایک نہیں' کئی مسیحا آ گئے۔

پانچ بیٹے اور پانچ بہوئیں تھیں۔ کمرے میں آتے ہی ایک نے کہا۔ ”یہ ایسے سکڑ کیوں گئے ہیں؟“

دوسری بہو نے کہا۔ ”تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پھر دورہ پڑا ہے۔ مگر ابھی تو ہم نے کوئی شاک پہنچانے والی بات نہیں کی ہے۔“

ٹی وی آن تھا۔ خبروں میں ویڈیو رپورٹ کا وہ حصہ گزر چکا تھا' جس میں دونوں بیٹے نظر آئے تھے۔ ایک بہو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ایسا بھی کیا شوق ہے؟ ہانپتے کانپتے اور لرزتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔“

وہ سب اس کے دائیں بائیں پہنچے ہوئے تھے مگر کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا رہا تھا۔ شجاعت نے جھک کر پوچھا۔ ”بابا جانی...! کیا بات ہے؟ کیا پریشانی ہے؟ کیا آپ کچھ بولنا چاہیں گے؟“

شعبان نے کہا۔ ”یہی بولنا چاہیں گے کہ فوراً ڈاکٹر کو بلایا جائے مگر کب تک بلایا جائے؟ پچھلے دس برسوں سے یہی ہو رہا ہے۔ اُدھر سے اللہ میاں بلاتے ہیں۔ ادھر سے ڈاکٹر پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ اُدھر کے رہتے ہیں' نہ ادھر کے...“

ایک بہو نے کہا۔ ”میں نے دیکھا ہے' جب ان پر دورہ پڑتا ہے تو نرس انہیں وہ چھوٹی شیشی والی دوا پلاتی ہے۔ اب کیا کیا جائے... نرس تو یہاں نہیں ہے۔ وہ بے چاری تھکی ہوئی ہے۔ اپنے کمرے سو رہی ہے۔“

فرقان نے جھک کر کہا۔ ”بابا جانی! آپ کو پتا ہے' میں اور منور جیل یاترا کر چکے ہیں۔ کل ہمیں ہتھکڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ حوالات میں پہنچایا گیا تھا۔ کیا دیکھنے کا منظر تھا؟ آپ دیکھتے تو غش کھا جاتے۔“

منور نے کہا۔ ”آپ نے وہ منظر تو دیکھا ہی نہیں پھر یہ دورہ کیوں پڑ رہا ہے؟ آپ کتنی اذیتوں سے گزرتے ہیں؟ ہم تو آپ کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں کہ یہ آخری دورہ ہو۔“

سب سے چھوٹے بیٹے منصور نے کہا۔ ”یہ نہ سوچیں کہ

اولاد کا خون سفید ہو گیا ہے۔ ہم تو آپ کو بڑھاپے سے اور مسلسل بیماریوں سے نجات حاصل کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ابھی آپ کا گلا گھونٹ دیتے۔ آپ کے منہ پر تکیہ رکھتے تو دم گھٹ جاتا۔"

ایک بیٹے نے کہا۔ "نہیں بابا جانی! ہم شریف باپ کے شریف بیٹے ہیں۔ قاتل نہیں بن سکتے۔ ایسا تو کہانیوں میں پڑھتے ہیں اور فلموں میں دیکھتے ہیں کہ باپ نے بیٹے کو اور بیٹے نے باپ کو مار ڈالا۔ ماں نے بچوں کو مسلسل فاقوں سے نجات دینے کے لیے زہر کھلا دیا۔ آپ کو نجات دلانے کے لیے ہم ایسا کوئی جرم نہیں کر رہے ہیں۔ بس... انتظار کر رہے ہیں۔ آپ خود ہی رخصت ہو جائیں تو بڑا احسان ہوگا۔"

ایک بہو نے کہا۔ "ذرا دیکھیں...! اب یہ لرز نہیں رہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے' غبارے سے ہوا نکل گئی ہے۔"

ایک بیٹے نے جھک کر غور سے دیکھا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا۔ آنکھیں بھی آدھی کھلی ہوئی تھیں' جیسے اولاد کو دیکھتے دیکھتے تھک گئی ہوں... بس بہت ہو چکا۔ اب دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا ہے... اس کی آنکھیں پوری طرح بند ہو گئیں۔

☆☆☆

زندگی میں انسان اپنے جیسے انسانوں کو کھاتا ہے اور مرنے کے بعد کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ یہی ہے انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہا...

قبر کے سرہانے سرتاج موسیٰ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ کتبہ زبانِ بے زبانی سے کہہ رہا تھا۔ "میں ایک بار بردار گدھا ہوں۔ ساری عمر بیویوں اور بچوں کا بوجھ اٹھاتا رہا ہوں۔ گدھا بوڑھا ہو جائے' بیمار ہو جائے تو اسے بے موت مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں' جنہیں موت نہیں مارتی۔ انسانی کمینگی مار ڈالتی ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کاروباری مملکت پر خود غرض' چور اور بے ایمان قابض ہو جائیں۔ اس لیے میں نے وصیت لکھ دی تھی کہ میرے پانچ ہوٹلوں کے سلسلے میں ایک ٹرسٹ قائم کیا جائے۔ لاکھوں روپے کی آمدنی میں سے ایک حصہ میری بیویوں اور بچوں کو دیا جائے۔ باقی تین حصے فلاحی مقاصد کے لیے خرچ کیے جائیں۔

اس طرح میری یہ مملکت بہتر مقاصد کے ساتھ قائم رہے گی۔ میرے بے ایمان بیٹوں کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ ہم تو نیکی سے سوچتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں مگر ہمارے بعد دنیا میں ہوتا کیا ہے...؟"

جو ہوتا ہے' وہی ہو رہا تھا۔ موسیٰ بھائی کے سوئم پر وکیل کرامت علی نے پورے خاندان والوں کی موجودگی میں وہ وصیت پڑھ کر سنائی۔ اس کی رُو سے پانچوں ہوٹل' پانچوں بیٹوں کے حوالے کرنے کی تاکید کی گئی تھی مگر ان پانچوں ہوٹلوں کا نگرانِ اعلیٰ شجاعت موسیٰ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اسے یہ اختیار دیا گیا تھا کہ نقصان پہنچانے والے کسی بھی بیٹے کو وہ ہوٹل کے کاروبار سے سبکدوش کر سکتا ہے۔

یہ وصیت سنتے ہی چاروں بھائی ہتھے سے اکھڑ گئے۔ بڑے بھائی شجاعت موسیٰ کے خلاف بولنے لگے مگر کھل کر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اصل وصیت کی صورت بگاڑ دی گئی ہے اور اپنے باپ کو دھوکا دینے اور وصیت کو تبدیل کرنے کے جرم میں وہ شجاعت کے ساتھ شریک رہے ہیں۔

شجاعت انہیں چیلنج کر سکتا تھا کہ وہ اس وصیت کو جعلی اور فراڈ ثابت کریں۔ یہ تو صرف موسیٰ بھائی قبر سے نکل کر ثابت کر سکتا تھا۔

ہماری دنیا کی کتنی ہی سچائیاں مرنے والوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور زندہ رہنے والوں کے درمیان جھوٹی وراثت رہ جاتی ہے۔

ایسا ہوتا ہے اور ایسا ہوتا رہے گا۔